جلد 28 شمارہ 3 ماہ مارچ 2026ء رمضان / شوال 1447ھ

وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ وَتَبَتَّلْ إِلَيْهِ تَبْتِيلًا

صداقت

اللہ

محبّت

سلسلہ عالیہ توحیدیہ

مسلسل پرواز ہو جو نیچا بھی عرش ہے

ماہنامہ

فلاحِ آدمیّت

سلسلہ عالیہ توحیدیہ کا تعارف اور اغراض ومقاصد

- سلسلہ عالیہ توحیدیہ ایک روحانی تحریک ہے جس کا مقصد کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کے مطابق خالص توحید، اتباع رسول، کثرت ذکر مکارم اخلاق اور خدمت خلق پر مشتمل حقیقی اسلامی تصوف کی تعلیم کو فروغ دینا ہے۔
- کشف وکرامات کی بجائے اللہ تعالیٰ کے قرب وعرفان اور اس کی رضا ولقاء کے حصول کو مقصود حیات بنانے کا ذوق بیدار کرنا ہے۔
- حضور ﷺ کے اصحاب کی پیروی میں تمام فرائض منصبی اور حقوق العباد ادا کرتے ہوئے روحانی کمالات حاصل کرنے کے طریقہ کی ترویج ہے۔
- موجودہ زمانے کی مشغول زندگی کے تقاضوں کو مدنظر رکھتے ہوئے نہایت مختصر اور سہل العمل اوراد واذکار کی تلقین۔
- غصہ اور نفرت، حسد وبغض، تجسّس وغیبت اور ہوا وہوس جیسی برائیوں کو ترک کر کے قطع ماسواء اللہ، تسلیم ورضا عالمگیر محبّت اور صداقت اختیار کرنے کو ریاضت اور مجاہدے کی بنیاد بنانا ہے۔
- فرقہ واریت، مسلکی اختلافات اور لاحاصل بحثوں سے نجات دلانا۔ تزکیہ نفس اور تصفیہ قلب کی اہمیت کا احساس پیدا کر کے اپنی ذات، اہل وعیال اور احباب کی اصلاح کی فکر بیدار کرنا ہے۔
- اللہ تعالیٰ کی رضا اس کے رسول ﷺ کی خوشنودی اور ملت اسلامیہ کی بہتری کی نیت سے دعوت الی اللہ اور اصلاح وخدمت کے کام کو آگے بڑھانا اپنے مسلمان بھائیوں کے دلوں میں قلبی فیض کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی محبّت بیدار کرنا اور روحانی توجہ سے ان کے اخلاق کی اصلاح کرنا ہے۔

ماہنامہ

فلاحِ آدمیت

گوجرانوالہ

عالمگیر محبت اور بنی نوع انسان کی اصلاح و فلاح کا علمبردار

بیاد
خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ
بانی سلسلہ

محمد صدیق ڈارؒ
بانی مجلّہ فلاح آدمیت

شیخ سلسلہ و مدیر سے رابطہ
مرکز تعمیر ملت (ڈاکخانہ سیکنڈری بورڈ) وحید کالونی کوٹ شاہاں گوجرانوالہ
info@tauheediyah.com :ای میل Ph: 055-3411030
Website www.tauheediyah.com

پبلشر عامر رشید انصاری نے معراج دین پرنٹرز مچھلی منڈی لاہور سے چھپوا کر مرکز تعمیر ملت، جی ٹی روڈ گوجرانوالہ سے شائع کیا

قیمت شمارہ 50/- روپے ❀❀❀ سالانہ فنڈ 300/- روپے

اس شمارے میں

پیامِ قرآن

كَيْفَ يَكُونُ لِلْمُشْرِكِينَ عَهْدٌ عِندَ اللَّهِ وَعِندَ رَسُولِهِ إِلَّا الَّذِينَ عَاهَدتُّمْ عِندَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ فَمَا اسْتَقَامُوا لَكُمْ فَاسْتَقِيمُوا لَهُمْ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِينَ. (سورۃ التوبہ 9: آیت 7)

ان مشرکین کے لئے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے نزدیک کوئی عہد آخر کیسے ہوسکتا ہے؟ بجز ان لوگوں کے جن سے تم نے مسجد حرام کے پاس معاہدہ کیا تھا، تو جب تک وہ تمہارے ساتھ سیدھے رہیں تم بھی ان کے ساتھ سیدھے رہو کیونکہ اللہ متقیوں کو پسند کرتا ہے۔

لَا تَقُمْ فِيهِ أَبَدًا لَّمَسْجِدٌ أُسِّسَ عَلَى التَّقْوَىٰ مِنْ أَوَّلِ يَوْمٍ أَحَقُّ أَن تَقُومَ فِيهِ فِيهِ رِجَالٌ يُحِبُّونَ أَن يَتَطَهَّرُوا وَاللَّهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِينَ. (سورۃ التوبہ 9: آیت 108)

تم ہرگز اس عمارت میں کھڑے نہ ہونا۔ جو مسجد اول روز سے تقویٰ پر قائم کی گئی تھی وہی اس کے لئے زیادہ موزوں ہے کہ تم اس میں عبادت کے لئے کھڑے ہو۔ اس میں ایسے لوگ ہیں جو پاک رہنا پسند کرتے ہیں اور اللہ کو پاکیزگی اختیار کرنے والے ہی پسند ہیں۔

إِنَّ اللَّهَ يُدَافِعُ عَنِ الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ خَوَّانٍ كَفُورٍ. (سورۃ الحج 22: آیت 38)

یقیناً اللہ مدافعت کرتا ہے ان لوگوں کی طرف سے جو ایمان لائے ہیں۔ یقیناً اللہ کسی خائن کافر نعمت کو پسند نہیں کرتا۔

فرمانِ نبوی ﷺ

حضرت مغیرہ بن شعبہؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ اتنی دیر تک کھڑے ہو کر نماز پڑھتے رہتے کہ آپ ﷺ کے قدم (یا کہا کہ) پنڈلیوں پر ورم آ جاتا، جب آپ ﷺ سے اس کے متعلق کچھ عرض کیا جاتا تو فرماتے ''کیا میں اللہ کا شکر گزار بندہ نہ ہوں۔''

(کتاب التہجد، صحیح بخاری)

حضرت عائشہؓ سے پوچھا گیا کہ نبی کریم ﷺ کو کون سا عمل پسند تھا؟ آپؓ نے جواب دیا کہ جس پر ہمیشگی کی جائے (خواہ وہ کوئی بھی نیک کام ہو)۔ دریافت کیا گیا کہ آپ ﷺ (رات میں نماز کے لئے) کب کھڑے ہوتے تھے؟ آپؓ نے فرمایا کہ جب مرغ کی اذان سنتے۔ ایک مزید روایت کے مطابق مرغ کی آواز سنتے ہی آپ ﷺ کھڑے ہو جاتے اور نماز پڑھتے۔

(کتاب التہجد، صحیح بخاری)

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ہمارا پروردگار بلند برکت والا ہر رات کو اس وقت آسمان دنیا پر آتا ہے جب رات کا آخری تہائی حصہ رہ جاتا ہے۔ وہ کہتا ہے: کوئی مجھ سے دعا کرنے والا ہے کہ میں اس کی دعا قبول کروں، کوئی مجھ سے مانگنے والا ہے کہ میں اسے دوں، کوئی مجھ سے بخشش طلب کرنے والا ہے کہ میں اس کو بخش دوں۔

(کتاب التہجد، صحیح بخاری)

حضرت سلمان فارسیؓ نے ابودرداءؓ سے فرمایا کہ شروع رات میں سو جا اور آخر رات میں عبادت کر۔ نبی کریم ﷺ نے یہ سن کر فرمایا کہ سلمانؓ نے سچ کہا۔

(کتاب التہجد، صحیح بخاری)

ندائے عارف

(فرمودات شیخ سلسلہ عالیہ توحیدیہ قبلہ محمد یعقوب صاحب توحیدی مدظلہٗ)

(ماجد محمود توحیدی)

☆ جب آپ اللہ کا ذکر کرتے ہیں تو اس سے اللہ بہت خوش ہوتا ہے۔ یہاں آپ ذکر کرتے ہیں تو وہاں وہ کہتا ہے کہ یہ میری مخلوق ہے، یہ میرے بندے ہیں جو مجھے یاد کرتے ہیں اور فرشتوں کے سامنے آپ پر فخر کرتا ہے۔ یہ ہیں وہ لوگ جن کے متعلق آپ کہہ رہے تھے کہ یہ دنیا میں فساد کریں گے اور خون بہائیں گے۔ دیکھو ذرا یہ کیا کہہ رہے ہیں۔ اللہ میاں بھی خوش ہوتا ہے۔ اس سے بڑی بات ہمارے لئے اور ہے کیا کہ ہم سے اللہ خوش ہو جائے؟ ہمیں تو اتنی ہی بات چاہیے۔ ہمیں تو اور کچھ چاہیے ہی نہیں۔ سب کچھ اپنے پاس رکھ لے بس ہم سے خود راضی ہو جائے۔ ہمیں تو یہی چاہیے۔ الحمد للہ۔ اس سے اللہ میاں بہت خوش ہو جاتا ہے۔

آپس میں غلطیوں کی معافی مانگتے رہنا چاہیے۔ جب انسان اپنی غلطی مان لے تو دوسرا بھی کہتا ہے کہ چلو جی مان گیا ہے تو میں بھی معاف کر دیتا ہوں۔ اللہ بھی پھر معاف کر دیتا ہے۔ ہچکچاہٹ نہیں کرنی چاہیے۔ غلطی کس انسان سے نہیں ہوتی؟ اللہ تعالیٰ نے خود کہا ہے کہ میں نے انسان کو بہت کمزور بنایا ہے، اور پھر انسان خطا کا پتلہ ہے۔ یہ ہمارے لئے ازلی میڈیم ہے۔ سارے کہتے ہیں کہ انسان خطا کا پتلہ ہے۔ بس ایک دفعہ بابا آدم نے غلطی کر لی اور ہمارے مقدر میں اور ہماری فطرت میں یہ شامل ہو گیا ہے۔ غلطی تو ہوتی ہے۔ اس کا تسلیم

کر لینا بڑی بات ہے۔ غلطی تسلیم کر لینا جو ہے اس کا پتا اُس وقت لگتا ہے جب انسان تسلیم کرے اس وقت پتا لگتا ہے کہ یہ کتنا مشکل کام ہے۔ اللہ آپ کو اپنے حفظ و امان میں رکھے۔

☆ حلقہ فنڈ کی بات ہوئی تو اس پر فرمایا:

باباجیؒ کی طرف سے حکم تھا کہ حلقہ فنڈ جو ہے یہ بیس تاریخ تک پہنچنا چاہئے۔ یہ بیس تاریخ تک بھیجیں چاہے جتنا بھی ہے۔ آپ کو اپنے پلے سے ڈالنے کی اجازت تو نہیں ہے اور نہ کوئی ہر دفعہ ڈال سکتا ہے۔ جتنا ہے وہ بھیج دیں اس میں کوئی ایسی بات تو نہیں ہے۔ ان کی بیس تاریخ سے ہمارا تو آگے پیچھے ہو جاتا تھا اتنے پابند ہم بھی نہیں ہیں ورنہ انہوں نے تو کہہ رکھا تھا کہ بیس تاریخ کو میں نے اپنی بکس Complete کرنی ہیں۔ اس وقت تک میرے پاس پیسے پہنچ جانے چاہئیں۔ وہ ہر مہینے بیس تاریخ تک Books close کر لیتے تھے۔ وہ اپنا کام Pending نہیں چھوڑتے تھے۔ خط بھی جب آتا تھا اس وقت تو اس کا جواب لکھ کے اس کا لفافہ نکال کے اس میں ڈال کے ایک طرف رکھ دیتے تھے۔ اسی وقت جب خط آتے، پڑھتے اور ساتھ ہی جواب دے دیتے۔ ان کا یہ Routine تھا۔ بالکل کسی چیز میں دیر نہیں کرتے تھے۔ ماشاء اللہ ہر چیز میں با قاعدگی تھی۔

☆ یہ بات ذہن میں بالکل Clear رکھیں کہ ہم اس وقت تک مسلمان ہی نہیں ہیں جب تک ہم قرآن پر عامل نہیں ہیں۔ یہ جو ہم برائے نام مسلمان بنے پھرتے ہیں جن کو نہ قرآن کا پتا ہے نہ نماز کا پتا ہے تو یہ جو ایسے مسلمان بن جائیں تو آج کوئی اربوں مسلمان دنیا میں ہیں تو یہ ایسے ہیں کہ یہ جو آپ دیکھ رہے ہیں کہ ایک اتنی سی ریاست ہے اس نے سب کو

نیچا کر کے رکھا ہوا ہے اور کسی کو بات کرنے کی بھی ہمت نہیں ہے۔ میں حیران ہوں کہ ہم عجیب ہیں کہ کوئی بات بھی نہیں کر سکتے کہ تو ظلم کر رہا ہے۔ یہ ہے وہن۔ اصل میں ہم وہن کا شکار ہیں جسے سرکار دو عالم ﷺ نے صحابہ کبار کے سامنے ایک بات پیش کی تھی کہ ایک وقت آئے گا کہ جب غیر مسلم مسلمانوں کو مارنے کے لئے ایسے جائیں گے جیسے وہ دعوت پر جا رہے ہیں۔ صحابہ کبار جو ہیں وہ دو ٹوک لوگ تھے، سیدھے سادے۔ جو حکم ملا تو وہ کمر بستہ چل پڑتے تھے انہوں نے پوچھا کہ یا رسول اللہ ﷺ! کیا اس وقت مسلمانوں کی تعداد کم ہو گی؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ نہیں مسلمانوں کی تعداد اس وقت بہت زیادہ، بے پناہ ہو گی۔ صحابہ نے پوچھا کہ یا رسول اللہ ﷺ! پھر کیوں مسلمانوں کو مارنے کے لئے ایسے وہ بھاگتے ہوئے جائیں گے اور مارنا شروع کر دیں گے؟ یہ کیا بات ہوئی؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اصل میں اس وقت مسلمانوں میں وہن پیدا ہو جائے گا۔ وہ وہن کا شکار ہوں گے۔ صحابہ نے پوچھا کہ یہ وہن کس بیماری کا نام ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ وہن جو ہے یہ دنیا سے محبت اور موت سے خوف۔

آپ اگر اب جنرل خیال کریں، اپنے آپ سے لے کر، ملنے والوں تک، اور دوسرے مسلمانوں تک تو آپ لوگوں کو یہ چیز میرا خیال ہے کہ از خود آپ کو عرفان ہو جائے گا کہ ہم کہاں کھڑے ہیں۔ اگر ہم ابھی سے توبہ نہیں کریں گے اور نئے سرے سے ہم حضور اقدس ﷺ کی اقتداء میں پیشرفت نہیں کریں گے تو مجھے ڈر ہے کہ قیامت آنے میں کوئی دیر نہیں ہے۔ جیسا کہ حکم ہے کہ جب تک کوئی ایک بھی نیک مسلمان دنیا میں ہے تو قیامت نہیں آئے گی۔ اس وقت یہ پوزیشن ہے کہ یہ جو پوزیشن آج ہے یہ اگر کچھ عرصہ قائم ہو گئی تو ممکن ہے کہ وہ ایسے نام نہاد مسلمان گنتی میں اللہ کے پاس شامل ہی نہ ہوں، تو ایسے میں

مسلمان پھر کم ہی ملیں گے اور کوئی ایک آدھ ہو تو سمجھو کہ قیامت آ گئی ۔اس لئے اس کا ذہن میں رکھیں ۔قرآن کو پلے سے مت جانے دیں ۔اس کو پڑھیں ۔اس کا ایک ایک لفظ روزانہ کی بنیاد پر اس میں سے ایک دو لفظ کا خیال رکھیں کہ یہ میں نے ایسے سیکھنے ہیں کہ اپنے دل میں ڈال لینے ہیں ۔عمل والی بات ۔اللہ تعالیٰ آپ کو اور مجھے ہمت دے کہ ہم یہ چیزیں سیکھیں ۔

☆ اللہ کو کبھی نہ بھولیں ۔ اللہ آپ سب کو اپنی یاد سے نوازے ۔ بس اللہ اللہ کرتے رہیں، آپ سب ایک ہی رہیں گے، متفق رہیں گے، متحد رہیں گے، اور اللہ میاں اس طرح آپ پر فخر کرتا رہے گا ۔اللہ آپ کے ساتھ ہے ۔

☆ ایک خادم حلقہ سے مخاطب ہو کر فرمایا:

آپ کے جو معاملات ہیں ان کا اثر سارے حلقہ کے بھائیوں پر پڑے گا ۔یہ میری بات سن لیں اور اس کا جرمانہ آپ کو ادا کرنا پڑے گا ۔اس لئے آپ خود Perfect ہو جائیں تا کہ بھائی بھی Perfect ہو جائیں ۔ بھائیوں کو آپ اسی صورت میں کہہ سکتے ہیں کہ نماز پڑھا کرو اگر آپ نماز پڑھتے ہیں ۔آپ اسی صورت میں ذکر کا کہہ سکتے ہیں جب آپ خود ذکر کر رہے ہیں ۔یہ خیال رکھنا یہ آپ پر بہت بڑی ذمہ داری ہے اور خود تمہاری اصلاح کے لئے دی گئی ہے ۔ایسا نہیں ہے کہ آپ کو ایسے ہی خادم حلقہ بنا دیا ہے ۔اس سے تمہاری اپنی اصلاح ہو گی ۔اگر آپ کوشش کریں گے جس کے لئے ہم سارے یہاں اکٹھے ہوئے ہیں ۔ہم اپنی اصلاح کے لئے اکٹھے ہوئے ہیں ۔ ہماری اصلاح صرف اسی صورت ہو سکتی ہے اگر ہم تعلیم پر عمل پیرا ہوں ۔اگر ہم تعلیم پر عمل پیرا نہیں ہوں گے تو ہم ایسے ہی خوش فہمی میں رہیں گے کہ

ہماری اصلاح ہو رہی ہے، ہم بہت بڑے فقیر بن گئے ہیں اور حقیقت میں کچھ بھی نہیں ہو گا۔ اس لئے اپنی ذمہ داری کو سمجھیں اور اس پر عمل کریں تا کہ دوسرے بھائیوں کو بھی آپ کہہ سکیں اور ان کو بھی تعلیم پر عمل کرنے کا احساس دلا سکیں۔ میرا بچہ خوب محنت سے اور اپنی ذمہ داری سمجھتے ہوئے یہ کام کریں۔ اللہ اس کا آپ کو اجر دے گا اور بڑا زبردست اجر ہو گا۔ آپ خود دیکھیں کہ یہ ایک انسان کے روپ میں ہمارے سامنے آ جائیں گے۔ یہ معمولی بات نہیں ہے۔ اللہ آپ کو جزا دے۔ بھائیوں کو میرا اسلام، پیار اور دعا دینا۔

☆ کوئی لوگ ایسے ہیں جو دنیا مانگتے ہیں تو ان کو ہم دنیا دے دیتے ہیں لیکن آخرت میں ان کا حصہ بہت کم ہوتا ہے۔ وہاں بھی مقدار ہے۔ انہیں وہاں مقدار دنیا کی ملے گی آخرت میں تو ان کے پاس کچھ بھی نہیں ہو گا۔ کوئی ایسے ہیں جو یہاں بھی مانگتے ہیں کہ اللہ تو ہمیں یہاں بھی ہماری دستگیری فرما اور آخرت میں ہمیں عذاب دوزخ سے بچا لے تو وہاں اللہ نیک لوگوں کو یہ دونوں دے گا۔ اس طرح کی آیتیں ساری قرآن میں ہیں۔ ہمیں یہ سکھانے کے لئے ہیں کہ اگر آپ میری مرضی کے مطابق چلیں گے تو آپ یہاں بھی خوش رہیں گے، اچھے رہیں گے، محروم نہیں رہیں گے لیکن آپ کا اصل حصہ آخرت میں ہی ہو گا جو صرف آپ کے لئے ہو گا، اور کسی کے لئے نہیں ہو گا۔ وہ صرف آپ کے لئے ہو گا۔ نیک لوگوں کے لئے ہو گا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ان میں شامل کر لے تو اسکی مہربانی ہے، اس کی ذرہ نوازی ہے۔ اگر ہم بھی اس شعبے میں اس فرقے میں شامل ہو جائیں۔ جیسے سورۃ آل عمران جہاں ختم ہوتی ہے وہاں آخر میں یہ لکھا ہے کہ یہاں آپ لوگوں کو ان کا پھلنا پھولنا جو ہے اس پر پریشان مت ہوں، یہ ان کا اصل معاملہ آپ کے پاس ہی ہے، یہ یہاں بس پھلیں گے، پھولیں گے، اترائیں گے

اور ختم ہو جائیں گے اور آپ لوگ باقی ہیں، آپ کا انجام ان سے کہیں بہتر ہو گا۔ اللہ میاں نے اس کا صاف صاف کہہ دیا ہے کہ اس پر پریشان ہونے کی آپ کو ضرورت نہیں ہے۔

☆ حضور اقدس ﷺ کی روحانیت سے اس وقت بھی یہ ایسے ہی ایک ایک، دو دو کر کے لوگ اللہ کے بندے آتے رہے، اس وقت بھی کوئی گروہ در گروہ بہت کم کہیں آخر میں حضور ﷺ کی زندگی کے کہیں آخری حصے میں آئے جب اللہ کے فضل سے آخری صورت ہی نازل ہو گئی کہ بس اب آپ تیاری کریں، توبہ کریں اور تیاری کر لیں اس وقت کہیں گروہ در گروہ آنے کی بات قرآن میں اسی صورت میں ہوئی۔ اس سے پہلے تو یہی ایک ایک اور دو دو کر کے لوگ آتے رہے اور اس میں شامل ہوتے رہے اور یہ ایک قافلہ بنتا چلا گیا۔ آج بھی یہ ویسا ہی ہے۔ آج بھی ایک ایک دو دو آدمی ان شاء اللہ آتے رہیں گے اور یہ گروہ بنتا چلا جائے گا۔ ہمیں اللہ کی ذات سے امید ہے کہ ان شاء اللہ یہ پھر ویسا ہی ایک طاقتور گروہ سامنے آئے گا اور اس میں شاید یہ آپ کی وجہ سے ہو۔ عین ممکن ہے۔ کیونکہ اس کے بانی نے یہ دعا بھی کی ہے اور فرمایا بھی ہے کہ میری تعلیم پانچ سو سال تک یا ایک ہزار سال تک چلے گی تو اتنے عرصے میں ان شاء اللہ نشاۃ ثانیہ آئے گی اور وہ شاید آپ کی وجہ سے ہو مگر شرط یہ ہے کہ آپ اس تعلیم کو بھولیں نہیں، اس میں اسی طرح ایک ایک دو دو آدمی آپ لوگوں کے طفیل آتے رہیں اور آگے بڑھتے رہیں۔ ہم سے بہتر سے بہتر آدمی آتے رہیں گے اور ان شاء اللہ پوری طرح اللہ کے فضل و کرم سے آپ ہی آپ ہوں گے۔

سب اللہ کی توفیق سے ہے۔ ہم اپنے اپنے مقدور کے مطابق دامے درمے سخنے آگے بڑھتے رہیں تو ایک کے بعد ایک ہم سے بہتر سے بہتر لوگ ان شاء اللہ آتے رہیں گے

اور ان شاء اللہ یہ حلقہ ترقی کرتا رہے گا اور ہم انشاء اللہ آگے بڑھتے رہیں گے۔
یہ حلقہ انشاء اللہ اللہ کے فضل و کرم سے خوب چلے گا۔

☆ ایک بزرگ بھائی کی بات ہوئی تو فرمایا:

میں انہیں اکثر دیکھتا رہتا ہوں اور میری بات بھی ہوتی رہتی ہے۔اس دفعہ عید کے موقع پر ان کی ایک تصویر آئی جو میں نے دیکھی۔میں حیران رہ گیا کہ وہ ایک طرف ایک قدم لینے کے قابل نہیں ہیں لیکن اس تصویر میں جب میں نے انہیں دیکھا تو وہ مجھے بالکل جوان لگے کہ یہ جیسے کوئی جوان بیٹھا ہوا ہے۔حالانکہ وہ ایک قدم اٹھانے کے قابل نہیں ہیں۔ آج کل بغیر سہارے کے وہ چلتے ہی نہیں ہیں۔اس میں ان کی بیماری کا یا کمزوری کا مجھے بالکل کوئی تاثر نہیں ملا۔وہ عید کے دن ولی اللہ اور ایک دوسرے آدمی کے ساتھ تشریف رکھتے تھے۔میں نے دیکھا تو ما شاء اللہ مجھے بالکل صحت مند لگے۔وہ اللہ کے بزرگ ہیں،اللہ کا ان پر بڑا فضل ہے،ان پر اللہ کا بڑا کرم ہے۔اس حالت میں بھی جب کہ وہ ایک قدم نہیں اٹھا سکتے ، حلقے میں پہنچ جاتے ہیں تو یہ ایسے ہی نہیں آ جاتے۔اس کو کوئی کشش ہے،کوئی ذمہ داری ان کے اندر ہے۔جن پر ذمہ داری ہوتی ہے،اللہ میاں ہر کسی پر ایسی ذمہ داریاں نہیں ڈالتا۔ جس کو کچھ سمجھتا ہے وہ اس پر کوئی ذمہ داریاں ڈالتا ہے۔اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے بہت اچھے بزرگ ہیں، بڑے اچھے ہمارے بھائی ہیں۔اللہ انہیں صحت دے اور زندگی دے۔وہ ما شاء اللہ اچھے چل رہے ہیں۔ماشاء اللہ۔

وہ ایک بڑی پیاری نعت بھی پڑھتے ہوتے ہیں۔بڑے پیار سے اور بڑے اندر سے اس کی آواز نکالتے ہیں جب وہ یہ پڑھتے ہوتے ہیں۔یہ باتیں ایسے تو نہیں نکلتیں۔ آخر کوئی اندر بات ہوتی ہے تو پھر نکلتی ہیں۔

☆ ہمارے جو پرانے بھائی ہیں ان کی بھی کوئی Percentage ہے جو حلقے کی تعلیمات پر سو فیصد عمل پیرا نہیں ہے۔یہ غلطی ہوتی ہے۔ہم نے صرف ایک ایک کر کے بلکہ مشترکہ طور پر، متفقہ طور پر پیغامات میں کتابوں میں ہر جگہ یہ لکھ کے رکھا ہے کہ اگر آپ لوگوں نے اپنی اصلاح کرنی ہے اور حلقے کی تعلیم کے مطابق مراتب پانے ہیں پھر تو آپ کو اپنا Individual ذکر روزانہ کا کرنا پڑے گا اور اگر ویسے ہی آپ نے شغل کے طور پر حلقہ Join کیا ہے تو آپ نے بڑی غلطی کی ہے۔اس کے لئے آپ کسی اور حلقے میں جاتے تو اچھا ہوتا۔یہاں تو آپ اپنا وقت ضائع کر رہے ہیں۔یہاں آپ کا کچھ نہیں ہوگا۔یہ ہے کہ بھائیوں کے ساتھ آپ کا شغل میلہ ہو، بھائی کہیں اٹھیں بیٹھیں، کھائیں پئیں، آئیں جائیں۔That's it.اور کچھ نہیں۔

روحانی ترقی صرف اسی صورت میں ہوگی اگر آپ حلقے کی تعلیم پر پوری طرح سے عمل کریں گے۔خاص طور سے یہ پاس انفاس اور نفی اثبات جو ذکر ہے یہ روزانہ کی بنیاد پر ایک وقت ایک جگہ مقرر کر کے آپ کچھ عرصے تک نہیں کریں گے اور پھر یہ ہمیشہ کی زندگی کے ساتھ ہے۔اس میں تو ناغہ کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔اگر کوئی ناغہ کرتا ہے تو اس کا مطلب ہے وہ بس اپنا وقت گزارنے کے لئے یہاں بیٹھا ہے۔اس لئے اس پر یہ کہنا کہ کوئی Claim خدا نخواستہ کہ مجھے کچھ ملا نہیں تو اسے اپنے گریبان میں خود جھانکنا چاہئے کہ میں خود کرتا کیا ہوں۔ پھر پتا چلے گا کہ وہ کرتا کیا رہا ہے اور اسے کیا نہیں ملا اور کیوں نہیں ملا۔اسے پھر پتا چلے گا۔

سب بھائی یہ نوٹ کرلیں کہ حلقے کی جو تعلیمات یہ ذکر اذکار ہیں، یہ پاس انفاس، نفی اثبات، یہ تلاوت یہ ایسے ہیں جن میں ناغے کا اور انہیں ذرا سا بھی نظر انداز کرنے کا

سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اگر کرو گے تو وہ اپنے ساتھ کرو گے۔ قبلہ ڈار صاحبؒ ہمیں وہ سنایا کرتے تھے کہ جب کوئٹہ کی طرف گاڑی جاتی ہے تو اس کا ایک انجن آگے لگاتے ہیں اور ایک پیچھے لگاتے ہیں تاکہ یہ توڑ چڑھ جائے۔ اگر کسی طریقے سے ایک انجن رک جائے تو گاڑی پیچھے کی طرف آنے لگ جاتی ہے، آگے نہیں جاتی۔ تو یہ ایک دفعہ کا ذکر نہ کرنا ایسا ہی ہے کہ آپ نے اپنا انجن ہٹا دیا ہے تو آپ پیچھے ہی جائیں گے، آگے نہیں جا سکتے۔ اس لئے یہ یاد رکھیں کہ ذکر کا چھوڑنا اپنے آپ کو نقصان پہنچانا ہے۔ حلقے کی تعلیم پر عمل کرنا اور حلقے میں کوئی مقام حاصل کرنا چاہتے ہیں، اگر اللہ کی نظروں میں آنا چاہتے ہیں، اگر اللہ سے پیار کرنے کا دعویٰ کرنا چاہتے ہیں تو پھر تعلیم پر عمل کریں۔ اسلام کے بارے میں خود اللہ میاں نے فرمایا ہے:

اُدْخُلُوْا فِی السِّلْمِ کَآفَّۃً۔ (سورۃ البقرۃ 2۔ آیت 208)

اسلام کی ایک ایک شق پر عمل کرتے ہوئے پورے کے پورے اسلام میں داخل ہو جاؤ۔ Exactly وہ بات یہاں ہے۔ اگر آپ نے تو حیدیہ سلسلے کو Join کیا ہے تو اس کی تعلیم پر کافۃً مکمل طور سے اس تعلیم کے اندر آپ کو گھسنا ہوگا پھر جا کے فائدہ ملے گا۔ ایسے نہیں ملے گا۔ یہ نوٹ کرلیں۔

جن تک میری یہ بات پہنچی انہوں نے سن لی، وہ اپنے اپنے حلقے میں بھی یہ بات از سرِ نو سب کو بتا دیں کہ اگر سلسلہ عالیہ توحیدیہ میں شامل ہو کر کچھ فائدہ کوئی حاصل کرنا چاہتا ہے، تو حیدیہ سلسلہ کو ہی اگر سمجھنا چاہتے تو اس کی تعلیم پر عمل کرو۔ اس کے بغیر آپ حلقے کو سمجھ ہی نہیں سکتے، اس کی تعلیم کو سمجھ ہی نہیں سکتے جب تک عمل نہیں کرو گے۔ یہ تو ایسا ہی ہوگا کہ

کہیں گانے بج رہے ہوں تو جا کے دومنٹ کے لئے کھڑے ہو گئے، گانا سنا، واپس آ گئے۔ نہ ہمیں پتا چلا کہ کسی نے گایا کیا ہے اور نہ پتا چلا کہ ہم نے کیا سنا ہے اور گھر واپس آ گئے، یہ ذکر پھر ایسا ہی ہو گا، ایسے ہی حلقے میں شمولیت ہے۔ حلقے میں شامل ہونا ہے تو شامل ہو، آپ کے چہرے مہرے سے پتا چلے کہ توحیدی ہے۔ پھر پتا چلے گا۔

باباجیؒ کے زمانے میں کہیں سے لوگ آتے تھے اور بھائیوں کی تعریف کرتے تھے، جب آپ کو پتا چلتا تو باباجیؒ کہتے کہ میں اتنا موٹا ہو جاتا ہوں جب میں سنتا ہوں کہ میرا بیٹا کوئی ایسا ہے اور اس کی تعریف لوگ کرتے ہیں۔

ہمارے ایک بھائی سکول ٹیچر تھے۔ انہوں نے حلقہ جوائن کیا تو ان کا باپ، ان کے بھائی سارے اس کے خلاف ہو گئے۔ وہ ہر مہینے باباجی کو شکایت کرتے کہ یہ لوگ میرے خلاف ہیں، میں ذکر کرتا ہوں تو یہ اسے برا سمجھتے ہیں۔ باباجیؒ نے کہا کہ تم برداشت کیے جاؤ، کیے جاؤ ٹھیک ہو جائے گا لیکن اسے بھی برداشت نہیں تھی۔ وہ پھر بھی شکایت کرتے تھے۔ باباجیؒ نے کہا کہ اچھا یار! اب فیصلہ ہو جائے گا۔ اللہ کا فضل ہوا کہ اگلے ہفتے ان کا انتقال ہو گیا۔ باباجیؒ نے یہ سنا، جب انہیں سنایا گیا تو بتایا گیا کہ جب نزع کا وقت آیا تو اس نے سب لوگوں کو اپنے اردگرد کھڑا کیا اور کہا کہ سب لا الـــہ کا زور سے ذکر کرو، میں بھی کر رہا ہوں۔ خود یہ بھی زور زور سے ذکر کر رہا تھا۔ وہ لوگ بھی پچھتا رہے تھے جو اس کے خلاف تھے کہ یہ لا الـــہ کا ذکر مت کرو، انہوں نے بھی لا الـــہ کا ذکر زور زور سے کیا اور اسی ذکر کے دوران انہوں نے جان جان آفریں کے حوالے کر دی۔ گزر گئے۔

جب باباجیؒ نے سنا تو کہا کہ یہ ہے توحیدی۔ اللہ میاں نے بھی سنا ہو گا تو

کہہ رہا ہوگا کہ یہ توحیدی آیا ہے۔ذکر کرتا ہوا، گاناگاتا ہوا، ناچتا ہوا آ گیا ہے کہ مجھے سنبھال لو کہا کہ مجھے بس ایسے لوگ پسند ہیں جو اللہ اللہ کریں تو بے اختیار کریں کہ ٹھیک ہے بھئی میں نے اپنے اللہ کو یاد کرنا ہے تو ایسا ہی کروں گا۔تو جو منکر تھے ان سے بھی ذکر کروالیا اور خود بھی ذکر کرتے کرتے گزر گئے ۔باباجیؒ اس بات پہ بہت خوش ہوئے۔

ہمارے لئے تو خوشی کا باعث یہی ہوگا کہ ہمیں پتا چلے کہ آج ۔۔۔۔صاحب نے ایسا ذکر کیا کہ پورے حلقے والے جھوم اُٹھے۔ہمیں پتا چلے کہ جناب ۔۔۔صاحب نے ذکر ایسا کیا۔اس سے زیادہ خوشی ہمارے لئے اور کیا ہوگی؟ یہی ہے بس ہمارے لئے ۔یہی باتیں سن کے ہم خوش ہوں گے، ہماری خوشی کا ذریعہ یہی ہیں ۔اللہ تعالیٰ سب کو ہمت دے، حوصلہ دے اور یہ توفیق بخشے کہ اللہ کو یاد کریں ۔یار! یہ بھولنے والی چیز ہی نہیں ہے بخدا۔

☆ یہ ذکر پاس انفاس اللہ کے قرب کا ذریعہ ہے اس کے علاوہ اور کوئی درمیان میں چیز نہیں ہے۔اعلیٰ اخلاق۔اخلاق میں بہتری آتی رہنی چاہئے کیونکہ اس کے بغیر بھی ترقی نہیں ہوسکتی۔اگر اخلاق میں بہتری نہیں آ رہی تو ترقی نہیں ہو رہی کیونکہ وہ سنت مقدسہ ہے۔جو حضور اقدس ﷺ کی سنت کے علاوہ ہمارے اعمال ہیں انہیں ہم اگر اعمال گنیں تو یہ ہماری غلطی ہے۔حضور اقدس ﷺ کی سنت کے مطابق جو عمل ہوگا، عمل وہی ہوگا۔اس عمل کی قدر کریں اور کوشش کریں کہ وہ عمل زیادہ سے زیادہ ہو۔اسی سے آپ کو قرب ملے گا اور اللہ کی ذات پھر آپ سے پیار کرے گی۔وہ پاس انفاس بہت بہترین ذریعہ ہے۔

اس پاس انفاس کے کرنے میں دقت ہوتی ہے، مشکل ہوتی ہے، اس میں کوئی

شک نہیں ہے۔ کہیں ایسا نہیں ہے تو یہ غلط ہے۔اس کے لئے آپ کو مسلسل وقت چاہئے۔ بقول باباجیؒ کے وہ وقت ہم آپ سے مانگتے ہی نہیں ہیں۔وہ وقت جو آپ کے لئے بالکل نکما ہے، بیکار ہے، وہ وقت اللہ کی یاد کو دے دیں۔آپ دکان پر بیٹھے ہوئے ہیں، آپ سودا بیچ رہے ہیں، آپ ہر وقت تو گاہک کے ساتھ مصروف نہیں ہوتے۔ایک آیا تو اس کو سودا دے دیا دوسرا آیا اسے دے دیا پھر آپ آدھا گھنٹہ یا کچھ دیر ایسے بیٹھے رہتے ہیں، وہ جو گھنٹہ آدھا گھنٹہ ہے اس میں آپ کچھ نہیں کر رہے ہوتے۔اس میں اللہ اللہ کریں۔آپ آفس میں ہیں، اپنا کام کر رہے ہیں، ایک فائل آپ نے نمٹائی ہے، دوسرا کام آنے میں وقت لگے گا وہ فضول وقت ہے، اس کو ضائع مت کریں، یہ اللہ کی یاد کو دے دیں۔اسی طرح جو وقت تمہارے پاس فالتو ہے، بالکل بیکار وہ اللہ کی یاد کو دے دیں تو اسی سے آپ کا کام ایسا بنے گا کہ سارا وقت ہی کام والا بن جائے گا، بیکاری ختم ہو جائے گی۔بس یہ کوشش کریں کہ جو آپ کے سامنے فی الحال فارغ اور نکما وقت ہے اسے کام میں لے آئیں، اللہ کی یاد میں لے آئیں۔یہی پاس انفاس کہلاتا ہے۔

اللہ آپ کے دماغ سے محو نہ ہو۔آپ کا دل اللہ کہے اور آپ کے کان اسے سنیں کہ میرا دل اللہ اللہ کر رہا ہے۔دماغ آپ کا مصروف ہو۔بیچ میں باباجیؒ نے تو تڑکا بھی لگایا ہے کہ کہو کہ یااللہ! مجھے نظر آ جا، اپنا جمال جہاں آرا ہمیں دکھا دے۔پیارے اللہ اللہ کرنے کے دوران یہ بات سوچ لیا کرو۔ایسی باتیں اب وہ ہی کر سکتے تھے بہر حال ہمیں اگر یہی خیال ہو کہ میرا دل اللہ اللہ کر رہا ہے اور میرے کان سن رہے ہیں، یہی خیال ہو جائے تو یہی خیال آگے بڑھتا جائے گا، یہی خیال ان باتوں تک پہنچ جائے گا جو ان کی تمنا تھی، ان کی

خواہش تھی اور وہ کرتے تھے۔انشاء اللہ ہم بھی وہاں تک پہنچ جائیں گے۔لیکن یہ کرنے سے ہوگا۔صرف سوچنے سے کہ ایسا کرو، ویسا کرو، اس سے کبھی بھی نہیں ہوگا۔آپ زندگی گزار جائیں گے آپ کے ہاتھ کچھ بھی نہیں آئے گا۔اگر آپ ابھی سے یہ شروع کریں۔کہتے ہیں کہ نیک کام کبھی بھی لیٹ نہیں ہوا، کبھی بھی لیٹ نہیں ہوا۔آج تک نہیں کیا تو آج کرو، ابھی سے کروتو ان شاء اللہ کامیاب ہوجائیں گے۔وقت کا ضائع ہونا، جب آپ فیصلہ کر لیں کہ میں نے یہ کام کرنا ہے تو نہ کریں تو یہ وقت کا ضیاع ہے۔لیکن جب آپ فیصلہ کرلیں اور شروع کریں تو اللہ آپ کا یہ وقت ضائع نہیں کرتا۔یہ اللہ میاں آپ کے کھاتہ میں لکھ دے گا کہ اس نے اللہ اللہ کیا تھا کیونکہ آپ کے ارادے کی بھی قیمت ہے۔آپ ارادہ کرلیں کہ میں نے آج سے اللہ اللہ کرنی ہے، پھر اس میں سستی مت کرنا۔اگر سستی کی تو Negative چلا جائے گا۔اگر شروع کرلیا تو اس میں اللہ میاں آپ کو ترقی دے گا، آپ کی عادت بڑھتی جائے گی اور اللہ اللہ ہوتی جائے گی۔

آپ ذکر کریں گے تو اللہ آپ کو یاد کرے گا۔اللہ میاں نے شرط بھی یہی رکھی ہے۔اللہ میاں کہتا ہے:فاذکرونی یعنی میرا ذکر کرو پھر آگے کہتا ہے:اذکرکم میں تمہارا ذکر کروں گا۔پہلے آپ کے ذمے لگایا ہے کہ میرا ذکر کرو پھر میں تمہارا ذکر کروں گا۔اگر اس میں ہم دیر کریں گے تو اپنے آپ کو لیٹ کریں گے۔اللہ تو بے نیاز ہے۔لیکن جب آپ ذکر کرنا شروع کریں گے تو اللہ میاں کی پھر بے نیازی نہیں رہے گی۔وہ آپ سے پیار کرنے لگ جائے گا۔ایک حدیث قدسی کے مطابق آپ جب ایک قدم اللہ کی طرف لیں گے تو وہ کہتا ہے کہ میں دس قدم آپ کی طرف لوں گا۔آپ اگر چل کے آئیں گے تو میں دوڑ کے

آؤں گا۔آپ اگر محفل میں میرا ذکر کریں گے تو میں آپ کی اس محفل سے کہیں زیادہ اچھی فرشتوں کی محفل میں آپ کا ذکر کروں گا۔

یہ معمولی باتیں نہیں ہیں اور نہ ہی یہ باتیں ویسے ہوگئی ہیں ۔ یہ سب حقیقت ہے لیکن یہی حقیقت آپ کے یاد کرنے کے پیمانے پر ہے کہ کس قدر گہرائی سے آپ اور کتنی دیر آپ اسے یاد کررہے ہیں۔اس پر منحصر ہے۔آپ کا کتنا خلوص ہے،اس سے آپ کو کتنا پیار ہے اورآپ کے پیار اور خلوص میں کتنی گہرائی ہے۔جیسے آپ کے پیار میں گہرائی اور خلوص ہوگا اسی قدر اللہ میاں آپ سے پیار کرے گا،اس سے دس گنا زیادہ پیار کرے گا۔ترقی بھی جب ہی ہوگی ناں۔آپ کا کس میں شمار ہوگا،شمار تو وہ ہوگا جو وہ خود دے گا۔اپنے طور سے جو دے گا ،اسے ہی عطا کہتے ہیں پھر اللہ میاں آپ کو عطا کرے گا۔اس کے لئے ابتداء کریں،انتہا وہ خود کرے گا۔آپ ابتداء کریں۔

☆ ہمارے حلقے میں بزرگوں کی تعداد زیادہ ہے۔وہ سارے کوئی بیمار ہے،کسی کو کیا ہے،کچھ نہ کچھ ہوتا رہتا ہے۔دعا کریں کہ اللہ ان کو اپنے حفظ وامان میں رکھے،صحت وتندرستی سے نوازے اور اللہ تعالیٰ سب کی دستگیری فرمائے اور ان کے روزی رزق میں برکت عطا فرمائے۔اللہ آپ سب کا حافظ وناصر ہو۔

(آن لائن محفل مورخہ 05 مئی 2024ء کی گفتگو سے اقتباسات)

مذہب کی اہمیت اور تصوّف کا مقام

(خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ)

یہ کتاب اگر چہ وحدت الوجود پر لکھی جا رہی ہے لیکن وحدت الوجود تصوف کا ایک مسئلہ ہے اور تصوف مذہب کا ایک جزو، اِس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ پہلے چند سطور مذہب اور تصوف پر لکھ دی جائیں تاکہ اس کے پس منظر میں اصل مسئلہ آسانی سے سمجھ میں آ جائے۔ مذہب اس قدر معروف اور عام شے ہے کہ اس کی عبادات و اخلاقیات اور اوامر و نواہی کا ذکر تحصیل حاصل ہے لہٰذا ہم یہاں مذہب کی عام اور اجتماعی افادیت اور ناگزیریت پر بحث کریں گے۔ چنانچہ اس نقطۂ نظر کو سامنے رکھتے ہوئے جب ہم دنیا پر نظر ڈالتے ہیں تو ہم دیکھتے ہیں کہ روئے زمین پر جو سینکڑوں قومیں آباد ہیں وہ سب ایک دوسری سے بہت کچھ مختلف ہیں۔ بعض میں تو یہ اختلاف بہت معمولی ہے مثلاً انگریزوں، جرمنوں اور فرانسیسیوں میں، لیکن بعض قوموں میں یہ اختلاف بُعدالمشرقین کا سا ہے مثلاً افریقہ کے حبشیوں اور انگریزوں میں کوئی چیز بھی مشترک نظر نہیں آتی سوائے اس کے کہ یہ بھی انسان ہیں اور وہ بھی۔ پھر یہ اختلاف قوموں ہی تک محدود نہیں، ایک ہی ملک کے مختلف صوبوں کے آدمی لباس، زبان، رسوم اور صورت و شکل میں کافی مختلف ہوتے ہیں۔ پھر ایک ہی صوبے کے باشندوں میں بھی ایک دوسرے سے کافی اختلاف پایا جاتا ہے۔ یہی نہیں بلکہ ایک ہی شہر، ایک ہی محلے اور ایک ہی خاندان اور گھرانے کے لوگ اور کسی چیز میں نہیں تو صورت و شکل میں ایک دوسرے سے بالکل نہیں ملتے حتیٰ کہ دو سگے بھائیوں کی شکل بھی بالکل ایک جیسی نہیں ہوتی یہ اختلافات یہیں ختم نہیں ہو جاتے بلکہ ہر آدمی کی طبیعت، عادت اور ذہنیت بھی دوسروں

سے کسی نہ کسی قدر مختلف ہوتی ہے ہر ایک کی پسند اور خواہشات دوسرے سے کسی نہ کسی حد تک جدا ہوتی ہیں۔ کسی کو مٹھاس پسند ہے تو کسی کو نمکین، کوئی ایک رنگ کو پسند کرتا ہے تو دوسرا اس سے نفرت کرتا ہے۔ کوئی سکون وسکوت کی زندگی کا دلدادہ ہے تو کوئی ہنگامہ آرائی اور شور و شغب کا، کوئی آرام پسند ہے تو کوئی کام پسند، کوئی شراب پر جان دیتا ہے تو کوئی اس سے نفرت کرتا ہے، کوئی بہادر ہے تو کوئی بزدل، کوئی جنگجو ہے تو کوئی صلح جو، کسی کو لوگوں کے ستانے اور تکلیف دینے میں مزا آتا ہے تو کسی کو مخلوق خدا کی خدمت کرنے میں۔ الغرض زندگی کے جس گوشہ کو دیکھو اختلاف و تضاد کا مجموعہ ہے۔

اب غور طلب بات یہ ہے کہ اگر اس قدر مختلف الخیال اور مختلف المزاج لوگوں کو ایک قطعہ زمین میں اکٹھا بسا دیا جائے تو نتیجہ کیا نکلے گا۔ یہی کہ وہ ہر وقت بحث وتکرار، جنگ و جدل، قتل وغارت اور لوٹ کھسوٹ میں مبتلا رہیں گے۔ نہ کوئی رات کو آرام وسکون سے سو سکے گا نہ دن کو اطمینان قلب کے ساتھ کام کر سکے گا۔ ظاہر ہے کہ اس حالت میں وہ گوناگوں تعمیری قوتیں جو اللہ تعالیٰ نے انسان کو عطا فرمائی ہیں ہرگز بروئے کار نہ آ سکیں گی۔ نہ کوئی بستی بس سکے گی نہ کوئی معاشرہ وجود میں آئے گا۔ انسان جنگلی جانوروں کا ریوڑ بن کر رہ جائے گا اور معیشت و معاشرت یا تہذیب وتمدن میں بال برابر ترقی نہ ہو سکے گی۔

لیکن حق تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی کوئی تخلیق بھی ناقص اور بیکارِ محض نہیں۔ اس تنوع اور اختلاف میں بھی بڑی حکمت مضمر ہے۔ حرکت اور عمل جو زندگی کی جان ہیں اسی تنوع اور اختلاف سے پیدا ہوتے ہیں۔ اگر سب لوگ ایک ہی طبیعت اور ایک ہی خیال کے ہوتے تب بھی انسان زندگی کے مختلف شعبوں میں اتنی محیرّ العقول ترقی نہ کر سکتا جو اس نے اب کی ہے۔ اندریں حالات ضرورت کسی ایسی شے کی تھی جو اس اختلاف طبع کو کلیتہً ضائع بھی نہ ہونے دیتی

اوراس کے مضرت رساں اثرات کو کم بھی کر دیتی۔یہ کام اللہ نے مذہب سے لیا۔

مذہب کیا ہے؟ یہ چند ایسے قواعد وضوابط کا مجموعہ ہے جن پر عمل کرنے سے انسان اس دنیا میں بھی آرام وآسائش کی زندگی بسر کرتا اور مرنے کے بعد بھی اچھا مقام حاصل کرسکتا ہے۔

اللہ تعالیٰ قرآن میں فرماتا ہے: لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْ کَبَدٍ

''ہم نے انسان کو تکلیفوں کے بیچ میں پیدا کیا ہے۔''(سورۃ البلد آیت 4)

مطلب یہ ہے کہ یہ دنیا تکلیفوں کا گھر ہے جیسے کہ سمندر پانی کا گھر ہے۔اگر کسی کو سمندر میں پھینک دیا جائے تو اُس کے اُوپر نیچے دائیں بائیں ہر طرف پانی ہی پانی ہوگا۔یہی حالت اِس دنیا کی ہے۔بچہ جس دن پیدا ہوتا ہے اس دن سے جوان اور بوڑھا ہو کر مرنے تک کسی وقت بھی تکلیفوں سے چھٹکارا نہیں پاتا۔یہ تکلیفیں دو چار یا دس بیس نہیں بلکہ بے حدو بے شمار اور سینکڑوں قسم کی ہوتی ہیں۔مفلسی اور ناداری،عزیز واقارب سے ناچاقی، دوست احباب کی سردمہری و بے وفائی، افسروں کی تنگ مزاجی اور بے جا ناراضگی،حق تلفی،تجارت میں خسارہ، زراعت میں خشک سالی، بیوی کا پھوہڑپن، خاوند کی بدمزاجی، بچوں کی نالائقی اور نافرماں برداری، چوری، آتشزدگی، پڑوسیوں کی بے وجہ دشمنی،مقدمہ بازی، اہل کاروں اور افسروں کی بد دیانتی ورشوت ستانی،موسموں کی ناخوشگواری اور بے اعتدالی اور اس کی وجہ سے طرح طرح کی بیماریاں، ڈاکٹروں اور حکیموں کی بے پرواہی، وبائیں اور جنگیں، غربت میں مہمانوں کی یورش، پیاروں کی موت، امتحانات میں ناکامی،الغرض ایک دو، دس بیس بلکہ ہزاروں ہوں تب بھی کچھ لکھا اور کہا جائے۔یہاں تو جیسے سمندر کا پانی اتھاہ ہے۔اسی طرح تکلیفیں بھی لامحدود و بے شمار ہیں۔بعض اوقات تو تعجب ہوتا ہے کہ انسان زندہ ہی کیسے رہتا ہے لیکن اگر غور اور بے تعصبی سے دیکھا جائے تو یہ مذہب اور صرف مذہب ہی ہے جو ان

حالات میں بھی انسان کی ہمت کو ٹوٹنے نہیں دیتا اور حوصلے کو قائم رکھتا ہے۔ جب ایک مصیبت زدہ اپنی تمام کوششوں اور تگ و دو میں ناکام ہو جاتا ہے، جب ناکامی و نامرادی کے کالے بادل ہر طرف سے گھیر لیتے ہیں، جب اپنے پرائے سب منہ پھیر لیتے ہیں، مفلسی اور ناداری کے منحوس سائے ہر طرف سے بھوتوں کی طرح لپکتے ہیں، جب چاروں طرف گھور اندھیرا ہی اندھیرا نظر آتا ہے، آس اور امید کی ہلکی سی کرن بھی کہیں دکھائی نہیں دیتی، جب کپڑے پھاڑ کر گھر سے نکل بھاگنے اور مرنے کو جی چاہتا ہے، اس وقت، ہاں بالکل اُسی وقت! مذہب ہی آڑے آتا ہے اور اسے گلے لگالیتا ہے اور خداوند رحیم و کریم کی بے پناہ رحمت و شفقت اور امداد و نصرت کا یقین دلا کر لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ (الزمر آیت 53) ''اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو۔'' کا مژدہ سناتا ہے اور خودکشی کر کے کتے کی موت مرنے سے بچالیتا ہے۔ مذہب کا یہ پیامِ قدوسی تنِ مردہ میں نئی روح پھونک دیتا ہے، وہ پھانسی کا پھندا گلے سے نکال کر ایک نئے ولولے اور جوشِ عمل کے ساتھ اُٹھتا، مصائب کے پہاڑوں سے ٹکرا کر ان کو ریزہ ریزہ کرتا، مخالفتوں کو کچلتا، تکلیفوں پر مسکراتا آگے ہی آگے بڑھتا چلا جاتا ہے۔ رفتہ رفتہ اندھیرا چھٹنے لگتا ہے، امیدوں کے دیے روشن ہو جاتے ہیں اور آخر کار کامرانی و کامیابی اُس کے قدموں پر سر رکھ دیتی ہے یہ محض افسانہ اور شاعری نہیں ہے، دیکھنے اور غور کرنے سے آپ کو اپنے اردگرد ایسے زندہ واقعات اکثر و بیشتر نظر آ سکتے ہیں۔

مذہب کا کام صرف اتنا ہی نہیں۔ یہ تو زندگی کے ہر گوشہ اور ہر موڑ پر انسان کی رہنمائی کرتا ہے خصوصاً ہمارا مذہب اسلام تو ایک مکمل ضابطہ حیات ہے۔ اس میں حقوق اللہ اور حقوق العباد کے سلسلہ میں عبادت و تقویٰ، معیشت و معاشرت، قیادت و سیاست وغیرہ کے سارے اصول مقرر کر دیئے گئے ہیں بلکہ چلنے پھرنے، اُٹھنے بیٹھنے، نہانے دھونے، طہارت و ناپاکی،

بولنے چالنے، ملنے ملانے اور کھانے پینے تک کے آداب وقواعد پوری وضاحت سے بتادیئے گئے ہیں۔مذہب نے انسان کے تمام اعمال کو دوحصوں میں تقسیم کردیا ہے۔ایک شر ہے دوسرا خیر ایسے کام جو انسان کی تکلیف وتخریب کا باعث ہوں شر کہلاتے ہیں اور ایسے اعمال وافعال جو اس کی راحت وتعمیر کا سبب ہوں ان کو خیر کہتے ہیں۔انہی کا دوسرا نام نواہی اور اوامر ہے۔ یہ خیر وشر اور اوامر ونواہی اس قدر معلوم ومعروف ہیں کہ یہاں لکھنے کی ضرورت نہیں۔ ہر ایک جانتا اور مانتا ہے۔یہ بھی سبھی جانتے ہیں کہ جب تک کسی قانون کے پیچھے قانون شکن لوگوں کو سزا دینے کی طاقت موجود نہ ہو وہ قانون بیکار ہوتا ہے۔اس لئے ہمارے قانون کی کتاب یعنی قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے بیسیوں جگہ خوب کھول کھول کر بتا دیا ہے کہ اللہ تمام کائنات کا خالق ومالک ہے اور اس کی ہر شے پر قادر ہے۔وہ حاضروناظر ہے، سمیع وبصیر ہے۔رات کے اندھیرے میں چیونٹی کو بے تکلف دیکھتا اور اس کے چلنے کی آواز سنتا ہے۔وہ ہر شخص کے نیک وبد اعمال کو ہر وقت دیکھتا بلکہ ہر شخص کے دل میں جو خیالات گزرتے ہیں ان سے بھی واقف رہتا ہے۔اُس نے صاف صاف بتادیا ہے کہ جو لوگ حکم عدولی اور قانون شکنی کریں گے ان کیلئے دوزخ کا عذاب ہے اور جو نیکوکار ہوں گے ان کا صلہ جنت ہے۔دوزخ کی تکالیف اور جنت کی نعمتوں کا بیان بھی کھول کھول کر کردیا گیا ہے۔یہ بھی بتایا گیا ہے کہ مرنے کے بعد پھر زندگی ہے اور یہ کہ قیامت کا دن برحق ہے۔اس کے علاوہ فرشتوں، رسولوں اور قرآن کے علاوہ دوسری الہامی کتابوں کا بھی ذکر کیا گیا ہے اور سب پر ایمان لانے کا حکم دیا گیا ہے۔ظاہر ہے کہ یہ سب غیب میں ہیں۔اب حکم یہ ہے کہ ان کو بغیر دیکھے اور بلا کسی دلیل کے مان لو۔

الغرض یہ ہے مذہب جس نے انسان کو انسان سے محبت کرنا سکھایا اور ضرورت کے وقت

ایک دوسرے کے کام آنے بلکہ خود تکلیف اٹھا کر دوسروں کو راحت و آرام پہنچانے کا سبق دیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ کروڑوں آدمی جو شکل وصورت، رنگ روپ اور عادت وذہنیت میں ایک دوسرے سے مختلف تھے آپس میں وابستہ وپیوستہ ہوکر اس طرح گھل مل گئے کہ گویا ایک ہی جسم کے مختلف اعضاء ہیں۔اس طرح ہر ملک میں ایک قوم اور ایک معاشرہ وجود میں آیا اور ایسا امن وامان قائم ہوگیا جس میں ہر شخص کو اپنی خداداد قابلیتوں اور طاقتوں کو بروئے کار لانے کا موقع ملا اور ہر آدمی اپنی اُمنگوں اور خواہشوں کے حصول میں کسی نہ کسی حد تک ضرور کامیاب ہوگیا۔

حقیقتاً سب سے بڑی نعمت جو مذہب نے انسان کو عطا کی امن وامان ہے موجودہ زمانہ کی علمی، ادبی، صنعتی، اقتصادی، سیاسی، زرعی، سائنسی اور حربی، الغرض ہر طرح کی ترقی امن و امان اور صرف امن وامان کی مرہون منت ہے۔امن وامان نہ ہوتا تو نہ انسان کو طرح طرح کے علوم حاصل کرنے کا موقع ملتا نہ یہ ایجادات واختراعات وجود میں آتیں، نہ تمدن اتنی ترقی کرتا لیکن افسوس ہے کہ ہم لوگوں کے دل میں امن وامان کی کوئی خاص قدر ومنزلت نہیں ہے۔

بات یہ ہے کہ جنہوں نے امن وامان کے زمانہ میں آنکھ کھولی اور پرورش پائی ہو اور جن کو لاقانونیت اور بدامنی سے کبھی واسطہ نہ پڑا ہو وہ کسی طرح بھی نہیں سمجھ سکتے کہ بدامنی کی حالت میں انسان پر کیا کچھ گزر جاتی ہے۔پاکستان میں تو امن وامان کی قدر وقیمت کچھ وہی لوگ جانتے ہیں جو تقسیم ہند کے وقت مشرقی پنجاب اور دہلی وغیرہ کے قرب وجوار میں مقیم تھے اور خود خاک وخون کے سمندر میں سے پا پیادہ گزر کر پاکستان آئے تھے۔تقسیم ہند کے وقت جولائی سے نومبر تک لاکھوں مسلمان شہید ہوئے۔ایک لاکھ سے زیادہ عورتوں کی بے حرمتی ہوئی۔دور کیوں جایئے ابھی مشرقی پاکستان میں اسی لاقانونیت کی وجہ سے جو حشر برپا ہوا کل کی بات ہے۔بھارتی ہندوؤں اور پاکستانی بنگالیوں کے ہاتھوں لاکھوں بنگالی اور غیر بنگالی

قتل کر دیے گئے، ہزاروں عورتوں کی بے حرمتی ہوئی اور کروڑوں روپیہ کا نقصان ہوا اور یہ سب کچھ مذہب کے باغی، ہوس پرست، اقتدار پسند مسلمانوں نے ہندوؤں کی شہ پر کیا۔ اللہ ہم سب کو ایسی مصیبت سے آئندہ محفوظ و مامون رکھے۔ آمین۔ اب ہم تقسیم ہند کے وقت جو ہزاروں واقعات قتل و غارت وغیرہ کے پیش آئے ان میں سے صرف ایک سچا واقعہ تحریر کرتے ہیں۔ شاید اس کو پڑھ کر امن و امان کی برکت اور حقیقی قدر و قیمت آپ کے ذہن نشین ہو جائے۔

ستمبر 1947ء کی ابتدائی تاریخیں تھیں اور صبح کے آٹھ بجے تھے۔ ایک کلاس ون افسر سب بال بچوں اور بیوی سمیت اپنی کوٹھی میں ناشتہ کی میز پر بیٹھے ہوئے تھے۔ اگر چہ حالات و واقعات کی وجہ سے سبھی متفکر و پریشان تھے لیکن یہ اطمینان تھا کہ کوٹھی کے دروازہ پر پولیس کا پہرہ ہے ابھی دو چار لقمے بھی نہ کھائے ہوں گے کہ ہندو اور سکھوں کا ایک غول پہرہ کے سپاہیوں کو بے بس کر کے اندر گھس آیا اور غنڈوں کے لیڈر نے صاحب موصوف سے کہا کہ جیسے بیٹھے ہو ویسے ہی اُٹھ کر کوٹھی سے باہر نکل جاؤ اور جہاں دل چاہے چلے جاؤ۔ ذرہ بھی دیر کی تو سب کو قتل کر دیا جائے گا۔ صاحب موصوف بے چارے کیا کرتے ہاتھ کا لقمہ ہاتھ میں اور منہ کا منہ میں، بال بچوں سمیت کوٹھی سے باہر نکل آئے اور ارادہ کیا کہ جامع مسجد میں جو پناہ گزینوں کا کیمپ پڑا ہے وہاں چلے جائیں۔ دو ہی قدم چلے ہوں گے کہ اسی کوٹھی کے بھنگی نے صاحب کی بڑی لڑکی کا ہاتھ پکڑ لیا اور کہا کہ "اسے تو میں نہ جانے دوں گا"۔ اس پر صاحب موصوف کو قدرتاً غصہ آیا اور وہ بھنگی کو مارنے کے لیے آگے بڑھے ہی تھے کہ دو تین کرپان بند سکھوں نے روک دیا اور کہا خبردار جو اس کو کچھ کہا، جانے دو اس لڑکی کو ورنہ سر اڑا دوں گا۔ چنانچہ صاحب موصوف مجبور ہو گئے اور یہ لُٹا پٹا قافلہ جامع مسجد کی طرف روانہ ہو گیا۔ خدا کے واسطے ایک لمحہ کے لیے سوچئے کہ اس وقت صاحب موصوف اور اس بچی کی ماں اور

بھائی بہنوں کے دل پر کیا قیامت گزری ہوگی ۔خاکم بہ دہن خدانخواستہ اگر یہ واقعہ ہم لوگوں میں سے کسی کو پیش آ ئے تو ہماری کیا حالت ہوگی۔ اناللّٰہ و انا الیہ راجعون

ہم نے یہ سب کچھ آپ کو یہ بتانے کے لیے لکھا ہے کہ انسان کو زندہ وسلامت رہنے اور ترقی کرنے کے لیے مذہب کی کس قدر ضرورت ہے۔اگر مذہب نہ ہوتا تو آج یہ دنیا ویران اور وحشی انسانوں کا مسکن ہوتی ۔اس لیے مذہب کے دامن کو مضبوط تھامو اور جو چیز حدیث وقرآن کے خلاف ہو اس کو نیست و نابود کردو خواہ وہ کوئی فیشن ہو یا رسم یا کوئی علم ہو مثلاً تصوف یا کوئی اور نظریہ ہو مثلاً وحدت الوجود،اصل چیز مذہب اور شرع ہے،تصوف تو بہت بعد کی بات ہے۔شرع ہر زمانہ،ہر حالت اور ہر وقت تصوف پر فضیلت وفوقیت رکھتی ہے۔دُنیا کے ساٹھ ستر کروڑ مسلمانوں کو عزت کے ساتھ زندہ رہنے کے لیے سختی سے پابندیٔ مذہب کی ضرورت ہے۔تصوف کتنے آدمی سیکھتے ہیں؟مشکل سے چند لاکھ!اور کتنے کامیاب ہوتے ہیں؟مشکل سے چند سو!پھر آج جبکہ جاہل اور نقلی پیروں نے اصل تصوف کی صورت ہی مسخ کردی ہے کون کہہ سکتا ہے کہ سچا تصوف کیا ہے،اصل بزرگ اور ولی کون ہے اور نقلی اور جعلی کون ۔اس لئے میرے عزیزو!مذہب کو اختیار کرو،مذہب کو بچاؤ، یہی تم کو آخر تک بچائے گا۔تصوف اور وحدت الوجود تمہارے کسی کام نہ آ ئے گا۔اب ہم تصوف اور وحدت الوجود کے بارے میں چند سطور لکھ کر اس باب کو ختم کر دیں گے اور اگلے ابواب میں مسئلہ وحدت الوجود پر بحث کریں گے۔وَمَا تَوْفِیْقِی اِلاَّ بِاللّٰہِ

تصوف اور وحدت الوجود:

پیچھے بیان ہو چکا ہے کہ مذہب کی بنیاد اِن عقائد پر ہے ۔اللہ،فرشتے،الہامی کتابیں، رسول،قیامت اور حیات بعد الموت ۔اور اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ ہم اِن سب پر بغیر دیکھے اور

بلا کسی دلیل کے ایمان لے آئیں۔ دنیا میں اس وقت تقریباً ساٹھ ستر کروڑ مسلمان بستے ہیں اور سبھی ان عقائد کو بلا دلیل ہی مانتے ہیں مگر اللہ تعالیٰ نے کچھ دماغ ایسے بھی بنائے ہیں جو کسی بات کو بھی بغیر دیکھے اور بلا سمجھے ماننے کو تیار نہیں ہوتے لیکن آج کی دنیا کے تمام عالموں، فلاسفروں اور دانشوروں کا متفقہ فیصلہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ہستی کو دلائل عقلی سے ثابت کرنا قطعاً ناممکن ہے۔ وہ صرف وجدان ہی سے سمجھ میں آسکتا اور دکھائی بھی دے سکتا ہے۔ چنانچہ یہی موضوع علم تصوف کا ہے۔ دنیا میں جتنے علم ہیں سب میں یہ ہوتا ہے کہ طالب علم پہلے علم حاصل کرتا اور پھر اس پر عمل کرتا ہے۔ لیکن تصوف میں ان سب کے برخلاف پہلے عمل کرنا پڑتا ہے پھر علم حاصل ہوتا ہے۔ یہ عمل کیا ہے؟ یہ کسی شیخ، ولی یا عارف کا بنایا اور بتایا ہوا عمل نہیں ہے بلکہ خود قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے۔ قرآن میں اللہ تعالیٰ نے اِس علم کی ابتدا اور انتہا ایک چھوٹی سی آیت میں بیان کردی ہے چنانچہ فرماتے ہیں:

وَاذْکُرِ اسْمَ رَبِّکَ وَتَبَتَّلْ اِلَیْہِ تَبْتِیْلاً (سورۃ المزمل آیت 8)

''اپنے رب کے نام کا ذکر کرو اور سب کو چھوڑ کر اسی کے ہو جاؤ''

یہاں سب کو چھوڑ دینے کے معنے یہ نہیں ہیں کہ دنیا چھوڑ کر جنگل میں جا بیٹھو کیونکہ یہ تو رہبانیت ہے جو اسلام میں منع ہے۔ یہاں سب کو چھوڑ دینے کا مطلب یہ ہے کہ دلی تعلق سوائے خدا کے اور کسی سے نہ رکھو۔ سب جانتے ہیں کہ رب ایک صفاتی نام ہے۔ ذاتی نام تو خدا کا اللہ ہے اِس طرح معلوم ہوا کہ عمل کی ابتدا لفظ اللہ کے ذکر سے ہوتی ہے اور جب سالک اعلیٰ مدارج پر پہنچتا ہے تو اس کو دلی تعلق سب سے چھوڑ کر صرف اللہ سے قائم کرنا پڑتا ہے اِسی کو تصوف کی اصطلاح میں قطع ما سویٰ اللہ کہتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ دنیا کے کام بھی کرتے رہو اور اپنے خالق کو بھی کسی وقت مت بھولو۔ دین اور دنیا میں رابطہ قائم رکھنا بہت ضروری ہے۔

اس ابتداء اور انتہا کے درمیان اور بھی کئی باتیں اللہ تعالیٰ نے بتائی ہیں مثلاً ایک تو ذکر کرنے کا قاعدہ ہے چنانچہ فرماتے ہیں:

وَاذْكُرْ رَبَّكَ فِيْ نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَّخِيفَةً وَّدُوْنَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ وَلَا تَكُنْ مِّنَ الْغَافِلِيْنَ (الاعراف آیت 205)

"اور اپنے رب کو دل میں یاد کیا کرو زاری اور ڈر سے، زبان سے آواز نکالے بغیر صبح و شام اور غافلوں میں سے مت ہونا"

دوسری آیت میں ارشاد ہے۔ فَاِذَا قَضَيْتُمُ الصَّلٰوةَ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ قِيَامًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِكُمْ (النساء آیت 103)

"اور جب نماز ختم کر چکو تو اللہ کو یاد کیا کرو، اُٹھتے بیٹھتے اور لیٹے ہوئے"

ان میں سے پہلی آیت میں صرف صبح و شام ذکر کرنے کی ہدایت ہے لیکن دوسری آیت میں پانچوں وقت کی نماز کے بعد ذکر کرنے کا حکم ہے۔ اور وقت کا کوئی تعین بھی نہیں ہے۔ ان دونوں آیتوں سے بزرگانِ دین نے چوبیس گھنٹے کا ذکر لازم کر لیا اور اس کو پاس انفاس کا نام دیا چنانچہ صدیوں سے اسی پر عمل ہو رہا ہے اور یہ عین قرآن پاک کے مطابق ہے۔

اس کے علاوہ اللہ تعالیٰ نے ابتداء اور انتہائے سلوک کے درمیان دو اور چیزوں کا حکم دیا ہے ان میں سے ایک ہے تزکیہء اخلاق اور دوسری تصفیہء قلب، ظاہر ہے کہ ان دو باتوں کی تکمیل کے بغیر سالک خدا کے قرب میں ہرگز باریاب نہیں ہو سکتا۔ اخلاق کی بابت تو احادیث اور قرآن میں یہاں تک زور دیا گیا ہے کہ اس کے بغیر جنت میں بھی داخلہ نہ ہو سکے گا۔ تصفیہ ءقلب بھی تزکیہء اخلاق سے کسی طرح کم ضروری نہیں اگر آپ کسی معمولی سے معزز مہمان کو بھی اپنے گھر بلائیں تو پہلے گھر کو خوب پاک صاف کر لیتے ہیں تب بلاتے ہیں۔ مومن کا

قلب اللہ کا گھر ہے۔ اگر آپ چاہتے ہیں کہ اس کی تجلی اور اس کا نور اپنے دل میں دیکھیں تو جب تک پوری پوری صفائی نہ ہو یہ کسی طرح ہو ہی نہیں سکتا۔ ہم اس جگہ ایک بڑی ہی پیاری مثال دیتے ہیں شاید اسی سے آپ کی سمجھ میں کچھ آ جائے۔

ہر گھر میں بجلی کے بلب جلتے ہیں۔ ایک بلب کا شیشہ الگ کر کے سوئچ دبائیں تانبے کا تار گرم ہو کر سرخ ہو جائے گا لیکن روشنی نہ ہو گی۔ اب شیشہ چڑھا کر سوئچ دبائیں اب بھی تار گرم و سرخ ہو جائیں گے روشنی نہ ہو گی۔ اب اگر شیشہ کی ہوا خارج کر کے اور ویکیوم کر کے شیشہ لگائیں اور پھر سوئچ دبائیں تو فوراً نور پیدا ہو گا اور روشنی ہو جائے گی وجہ یہ ہے کہ پہلے شیشہ میں ہوا بھری ہوئی تھی اس لیے نور پیدا نہیں ہوا۔ جب ہوا نکال دی گئی تو فوراً نور پیدا ہو گیا۔ آپ کے قلب میں بھی جب تک ہوا (ہوس وغیرہ) بھری ہوئی ہے اللہ کا نور اس میں جلوہ نما نہیں ہو سکتا۔ دنیا کی ہوا و ہوس سے قلب کو پاک کر لو قلب بھی بلب کی طرح روشن ہو جائے گا۔ بس جناب یہ ہے اللہ اور رسول کا بتایا اور سکھایا ہوا تصوف اور سلوک۔ اس کے علاوہ جو بہت سی چیزیں اس میں ملا دی گئی ہیں وہ سب لزوم مالا یلزم ہیں مثلاً حبس دم سے ذکر کرنا، طرح طرح کے آسن لگا کر ذکر کرنا، خاص خاص آسنوں سے مراقبہ کرنا، الٹے لٹک کر نمازِ معکوس پڑھنا، ایک ٹانگ پر کھڑے ہو کر پورا قرآن ختم کرنا، کئی کئی دن متواتر افطار کیے بغیر روزے رکھنا وغیرہ وغیرہ۔ اس کے علاوہ دعائے حزب البحر، دعائے ماثورہ، دعائے سُریانی، قصیدہ بردہ اور قصیدہ غوثیہ وغیرہ جو بطور اعمال کے سلوک میں شامل کر لیے گئے ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ ان سے طرح طرح کے فوائد ضرور ہوتے ہیں خاص کر فراخیٔ رزق و کشادگیٔ احوال لیکن سلوک طے کرنے میں اور خدا تک پہنچنے میں کوئی مدد نہیں ملتی۔ ایک اور بھی چیز ہے جو ذکر، تزکیۂ اخلاق، تصفیۂ قلب اور قطع ماسوی اللہ سے بھی زیادہ ضروری ہے، وہ ہے ایک کامل مرشد کا تلمذ اور توسّل ہمرشد کے بغیر اس راہ میں دو قدم چلنا بھی ممکن نہیں۔ جب

معمولی معمولی علوم وفنون کے لیے بھی استاد کی ضرورت ہوتی ہے تو روحانی عالم میں کروڑوں اور اربوں میل کا فاصلہ طے کر کے حریم کبریا تک پہنچنا بغیر کسی رہنما کے کس طرح ممکن ہوسکتا ہے۔رہنمائی اور ہدایت کے علاوہ مرشد کامل کے سینہ سے ایک ایسی برقی طاقت وتوانائی سالک کو ملتی ہے جو اس کے قلب کو گرما کر اور روح کو تڑپا کر ایک نئی زندگی بخشتی ہے یہ ایک خاص قسم کی حرارت ہوتی ہے اس سے وہ جذب اور سرور و کیف پیدا ہوتا ہے جس کے نشہ اور بے خودی میں سالک ہر قسم کی سختیاں اور تکالیف خوشی سے برداشت کرتا ہوا منزلِ مقصود تک چلا جاتا ہے۔

اگر اس طرح باقاعدہ سلوک طے کیا جائے تو دو چار مہینے بعد ہی سالک کو عجیب وغریب کوائف وواردات سے واسطہ پڑتا ہے۔سب سے پہلے تو کشف وکرامات کی طاقت پیدا ہوتی ہے،اس کے بعد اولیاءاللہ کی روحوں کی زیارت اور عالم روحانی کی سیر میسر آتی ہے کبھی وہ دیکھتا ہے کہ کائنات کی ہر شے،شجر وحجر وغیرہ اللہ تعالیٰ کی تسبیح وتہلیل میں مصروف ہیں کبھی اسے نظر آتا ہے کہ یہ سب چیزیں خود اس کو سجدہ کررہی ہیں،کبھی تمام چیزیں نظر سے غائب ہوجاتی ہیں۔کبھی سینکڑوں میل تک ہر چیز نظر آنے لگتی ہے۔کبھی اسے محسوس ہوتا ہے کہ ساری کائنات خود اس کی ذات میں جذب ہوگئی ہے اور کبھی یوں معلوم ہوتا ہے کہ خود اس کی ذات ساری کائنات میں جاری وساری ہے۔اب جیسے جیسے وہ ترقی کرتا اور آگے بڑھتا ہے عجیب سے عجیب تر مشاہدات وواردات پیش آتی ہیں۔یہاں تک کہ جب **ھو** میں ایک خاص مقام پر پہنچتا ہے تو اس کو یہ نظر آتا ہے کہ ہر جگہ خدا ہی خدا ہے۔اس کے علاوہ اور کوئی ہستی موجود نہیں۔اسی مشاہدے کا نام وحدت الوجود ہے۔مگر یہ سب کچھ جو دکھائی دیتا یا محسوس ہوتا ہے ایک کیفیت ہوتی ہے حقیقت نہیں ہوتی۔چونکہ وحدت الوجود کا بیان ہم نے اگلے ابواب میں نہایت شرح وبسط سے قلم بند کیا ہے اس لیے یہاں لکھنے کی ضرورت نہیں آگے ملاحظہ فرمائیں۔

روحانی سیر

(محمد صدیق ڈارؒ)

انسانی جسم پر حکمرانی کرنے والی اور اس کے تمام اعضا کو اپنی مرضی کے مطابق استعمال کرنے والی اصل طاقت ہی انسان کی حقیقت ہے، اسے روح کا نام دیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم نے انسان کو اپنی بندگی کے لیے پیدا کیا ہے۔ یہ بندگی نباتات، جمادات اور ملائکہ کی اطاعت سے یقیناً مختلف ہے ورنہ بندگی کو انسان کے لیے مخصوص نہ کیا جاتا۔ انسان سے جو بندگی مطلوب ہے اس سے مراد وہ والہانہ اطاعت ہے جو معرفت اور شدید محبت سے معمور ہو۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو محبت کا جوہر عطا کر کے اس زمین پر بھیجا جہاں کا پتا پتا اور ذرّہ ذرّہ اس کی صفات کا مظہر بن کر اللہ کی تلاش و جستجو اور اس کے قرب و رضا کی دعوت دے رہا ہے۔ بقول علامہ محمد اقبالؒ:

یہ دنیا دعوت دیدار ہے فرزند آدم کو
کہ ہر مستور کو بخشا گیا ہے ذوق عریانی

(ارمغانِ حجاز)

اس عظیم سعادت کے حصول کے لیے انسان کو ظاہری حواس عطا کیے گئے تاکہ ان کے ذریعے مادّی مظاہر فطرت کا مطالعہ و مشاہدہ کر کے روح اپنے ربّ کی معرفت حاصل کرے اور اس کی محبت میں آگے ہی آگے بڑھتی چلی جائے۔ یہ روح انسانی کا صرف ایک رخ ہے جو عقل و شعور کے توسط اور حواسِ خمسہ کے سبب مادی عالم سے جڑا ہوا ہے۔ اس کا ایک دوسرا رخ بھی ہے اور اس کا تجربہ کم و بیش ہر انسان کو ہوتا ہے اور ہر روز ہوتا ہے۔

انسان جب سو جاتا ہے تو اس کا شعور عارضی طور پر معطل ہو جاتا ہے جس کی وجہ سے وہ اپنے اردگرد کے حالات بلکہ اپنے جسم سے بھی بے خبر ہو جاتا ہے۔اس بے خبری کی کیفیت میں کئی مرتبہ عالم خواب میں آئندہ پیش آنے والے یا دور دراز مقامات پر ہونے والے واقعات اسے نظر آتے ہیں حالانکہ بیداری کی حالت میں ایسا نہیں ہوتا۔اسی طرح جاگتے میں بغیر کسی ظاہری ذریعہ علم اور شعوری کوشش کے کبھی کبھی خیال یا تجویز اچانک ہمارے دل و دماغ میں وارد ہو جاتی ہے اسے چھٹی حس یا Extra Sensory Perception (ESP) کا نام دیا جاتا ہے۔

ان تجربوں سے یہ بات ثابت ہو جاتی ہے کہ روحِ انسانی کا تعلق کسی دوسرے عالم سے بھی ہے جہاں شعور کا عمل دخل نہیں اور ظاہری آنکھوں کے علاوہ ایک باطنی حس بھی ہے جو دیکھنے کی صلاحیت سے بہرہ ور ہے۔خواب کے علاوہ بھی اگر کوئی انسان اس امر پر قادر ہو کہ اپنے حواسِ ظاہری کو اپنی قوتِ ارادی سے عارضی طور پر معطل کر لے یعنی مادی عالم کی نفی کر کے مراقبہ میں چلا جائے تو اس کا تعلق عالم روحانی سے قائم ہو سکتا ہے۔نفسیات کی زبان میں یوں کہہ لیں کہ جب شعور غائب ہو جائے تو لاشعور جاگ اٹھتا ہے اور اس کا تعلق روحانی طبقات سے ہو جاتا ہے۔اگر کوئی شخص صلوٰۃ و ذکر اور مجاہدے کے ذریعے اپنے قلب کا تزکیہ کسی حد تک کر چکا ہو تو خواب یا نیم بیداری کی کیفیت میں آئندہ ہونے والے کچھ واقعات اس کے لاشعور میں منعکس ہو جاتے ہیں۔یہاں یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ اس شخص کو تمام عالمِ روحانی کا ہر واقعہ معلوم نہیں ہو جاتا بلکہ اس کی روح کو اپنے مقام کی مناسبت سے جس قدر ماحول کا علم ہوتا ہے صرف اسی حصے میں تنزل کرنے والے واقعات معلوم ہو سکتے ہیں۔ جو لوگ روحانی سلسلوں میں بیعت ہو کر مطلوبہ صلاحیت حاصل کر لیتے ہیں ان میں سے کسی

کسی کو اس طرح کے تجربات ہوتے رہتے ہیں۔ جو لوگ نفی اثبات کا ذکر صحیح طریقے سے کرتے اور پاس انفاس کے ذریعے اپنی توجہ اور دھیان اللہ کی طرف لگائے رکھتے ہیں ان کا دل بیدار ہو جاتا ہے اور ان کے قلب کی وہ آنکھ کھل جاتی ہے جو مادی دنیا کے اس پار کے عالم میں جھانک سکتی ہے اس مشاہدے کو روحانی سیر کا نام دیا جاتا ہے۔

ان میں سے بعض سالکوں کو نور، روشنی یا روحانی شکلیں نظر آتی ہیں۔ خواب یا جاگتے میں روحیں نظر آنے لگتی ہیں۔ دوزخ اور جنتوں کی سیر ہوتی ہے۔ فرشتوں اور انبیاء کی زیارت ہونے لگتی ہے لیکن ہر ایک کے ساتھ ایسا ہونا ضروری نہیں ہے۔ ان میں سے بعض تو اللہ تعالیٰ کی یاد اور محبت میں اس قدر مستغرق ہوتے ہیں کہ کسی اور چیز کو دیکھنے کی فرصت اور استعداد ہی ان میں باقی نہیں رہتی اور بعض کی آنکھوں پر اللہ تعالیٰ خود پردہ ڈال دیتا ہے ورنہ وہ ان دلفریب نظاروں کی سیر ہی میں پھنس کر رہ جائیں اس لیے جن سالکوں کو کچھ بھی نظر نہ آئے انہیں یہ خیال ہرگز نہ کرنا چاہیے کہ ہماری ترقی نہیں ہو رہی۔ انہیں یہ دیکھنا چاہیے کہ مرشد کی دی ہوئی تعلیم پر عمل کرنے سے قلب میں سوزِ محبت اور اللہ کی ذات سے تعلق اور اس پر توکل بڑھ رہا ہے، دنیا کی محبت کی بجائے آخرت کی فکر دل میں بڑھ رہی ہے اور اخلاق کی اصلاح ہو رہی ہے یا نہیں۔ روحانی اثرات کا جلد یا دیر سے پیدا ہونا اور روحانی سیر کا ہونا یا نہ ہونا دراصل سالک کی ذہنی اور روحانی بناوٹ پر منحصر ہوتا ہے۔ اس لیے اس کے بارے میں تشویش لاحق نہیں ہونی چاہیے۔ سالک کو کچھ دکھائی دے یا نہ دے لیکن اللہ کے ذکر کے اثرات ضرور مرتب ہوتے ہیں۔ راہ تصوف اور ذکر کا مقصود روشنیاں اور روحانی صورتیں دیکھنا تو نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کی محبت کا حصول ہے۔ لہٰذا خلوص کا تقاضا یہی ہے کہ راستے کے نظاروں کو نظر انداز کرتے ہوئے اپنے آقا اور محبوب کا ذکر پورے ذوق وشوق سے

جاری رکھا جائے۔اللہ تعالیٰ نے کثرت سے ذکر کرنے والوں کے لیے قرآن کریم میں جس نعمت کا وعدہ فرمایا ہے وہ اصل دولت ہے جو ہر ایک کو عطا کی جاتی ہے۔اللہ تعالیٰ نے یہ بیان کیا ہے کہ دل صرف اللہ کے ذکر سے اطمینان پاتے ہیں۔یہ بھی فرمایا کہ تم میرا ذکر کرو میں تمہارا ذکر کروں گا اور یہ بشارت بھی فرمائی کہ کثرت سے ذکر کرنے والوں کے لیے ہم نے اجر عظیم تیار کر رکھا ہے۔یہی نعمتیں سب سے بڑی ہیں اور یہی دراصل مطلوب ہیں۔ ان کے علاوہ جو کچھ ملے یا دکھائی دے تو یہ مالک کی اضافی رحمت اور سالکوں کے لیے حوصلہ افزائی کا سامان ہے۔

اب بھی سلسلے کے کئی بھائی اس طرح کی چیزیں دیکھتے رہتے ہیں چونکہ اپنے روحانی مشاہدات دوسرے بھائیوں کو بتانے کی اجازت نہیں ہوتی اس لیے وہ ان کا ذکر کسی سے نہیں کرتے۔ایسے بھائی راہنمائی حاصل کرنے کے لیے ایسے خواب یا مشاہدات مجھے لکھ کر بھیج دیتے ہیں۔اس سلسلے میں حال ہی میں آئے ہوئے دو بھائیوں کے خط ان کا نام لکھے بغیر یہاں نقل کر رہا ہوں۔ایک صاحب تحریر فرماتے ہیں:

> کل میں خانہ کعبہ گیا ہوا تھا۔اللہ تعالیٰ کا گھر بہت خوبصورت لگ رہا تھا۔ مجھے جانے کیا ہوا کہ بس میں اللہ سے چمٹ گیا اور مجھے بہت سکون ملا۔لیکن ساتھ ہی ڈر بھی رہا تھا کہ انہیں کہیں کھو نہ دوں اس لیے میں نے اللہ میاں کے دونوں ہاتھوں کو پکڑ لیا کہ اب کہیں نہیں جانے دوں گا اللہ کو۔یہ میرے ہیں۔اس کے بعد میری آنکھ کھل گئی۔ میں نے حضورﷺ کے روضہ مبارک کی سنہری جالیاں بھی دیکھیں مگر ان کے قریب نہ جا سکا۔نجانے کیوں، غالباً ابھی میں اس قابل نہیں ہوا۔ایک رات پہلے ایک بزرگ خواب میں ملے،ان کی آنکھیں سبز تھیں لیکن

داڑھی نہ تھی۔میں نے ان سے پوچھا کہ میں جو کچھ چاہتا ہوں کیا وہ مجھے مل جائے گا۔وہ چپ ہو گئے لیکن میں سب کچھ سمجھ گیا۔

دوسرے بھائی رقم طراز ہیں:

مجھ پہ کئی ماہ سے جو کیفیات وارد ہوئیں ان کو بیان کرنا ذرا مشکل ہے۔ایک دفعہ روحانی پرواز کے بعد ایسے سمندر نما مقام پہ پہنچا جہاں ماسوائے سکون و راحت کے اور کچھ محسوس نہیں ہوا اور کافی دیر میں اس عالم میں غرق رہا۔اس کے علاوہ بارہا روحانی پروازیں ہوئیں مگر ان میں سے کسی بھی عالم کی وضاحت کرنے سے قاصر ہوں۔دو دن قبل نیم بیداری کی حالت میں کیا دیکھتا ہوں کہ فضا میں ایک نغمہ سا گونج رہا ہے جس کا مفہوم کچھ اس طرح تھا کہ ہم نے جن و انس کو دیگر مخلوق پر شہنشاہی عطا کی۔اس نغمے کو میں بھی دہرانے لگا، جونہی میں نے یہ الفاظ یا اس کے مماثل الفاظ دہرائے تو میں نے یکا یک حضرت سلیمانؑ کی قربت محسوس کی۔اس کے ساتھ ہی ٹارچ کی روشنی کی مانند شعاؤں میں سے ایک میرے قلب کی جانب جب کہ دوسری شعاع سینے کی دوسری جانب پیوست ہو گئی۔ان شعاؤں کی شدت اس قدر زیادہ تھی کہ ایسا محسوس ہوتا تھا جیسے دو بھاری میخیں میرے سینے میں گاڑھ دی گئی ہوں اس کے ساتھ ہی میری پرواز راکٹ کی سپیڈ سے بلندی کی طرف شروع ہو گئی اردگرد کے تمام مقامات کی ماہیت ایک طویل پٹی کی مانند تھی، جس میں ایک حصہ ہلکے سفید رنگ کا اور دوسرا بالکل خلا کی طرح کا تھا۔یہ کیفیت کافی دیر تک مجھ پر طاری رہی۔پھر کچھ لمحے بعد بالکل یہی کیفیت

دوبارہ شروع ہوگئی اس مرتبہ فرق صرف یہ تھا کہ حضرت سلیمانؑ کی بجائے حضور نبی کریم ﷺ کی روحانیت سے فیضان ملا۔ اگر چہ ان مقدس ہستیوں کی صورت وشباہت تو نظر نہ آئی مگر یہ یقین حاصل رہا کہ یہ فیض انہی سے مل رہا ہے یہ کیفیات اس طرح وارد ہوئیں جیسے کسی مریض کو بے ہوش کیے بغیر اس کا آپریشن کیا جائے۔ ان مواقع پر غالباً حضرت ابراہیمؑ تھے جو نگرانی یا مشاہدہ فرما رہے تھے تاہم مجھے اس بات کا یقین نہیں کہ وہ حضرت ابراہیمؑ تھے یا حضرت نوحؑ۔ مذکورہ بالا کیفیات مجھ پر دو مرتبہ دہرائی گئیں۔ اس کے بعد میں ایک عجیب قسم کے سمندر نما مقام تک پہنچ گیا جس میں داخل ہو کر بہت فرحت حاصل ہوئی۔

قارئین کرام! اللہ تعالیٰ کی راہ پر چلنے والوں کو عجیب وغریب قسم کی روحانی کیفیات سے واسطہ پڑتا ہے۔ ہر سالک کا راستہ اور راستے کی سیر ایک دوسرے سے مختلف ہوتی ہے۔ ان نازک مقامات اور کیفیات سے سلامتی کے ساتھ گزرنے کے لیے اللہ تعالیٰ کے خصوصی فضل اور رحمت کی ہر قدم پر ضرورت ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ان نعمتوں کے ساتھ جو خطرات وابستہ ہیں ان کی نشاندہی کے لیے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ میں اپنے ہادی و مرشد حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاری کی کتاب ''تعمیر ملت'' سے متعلقہ اقتباس آپ کی خدمت میں پیش کردوں:

جذب کی طرح کشف القبور اور رویت ارواح میں بھی کئی بڑے خطرات ہیں ایک تو یہ کہ یہ تماشا بہت دلچسپ ہوتا ہے اور اسے چھوڑ کر آگے بڑھنے کو دل ہی نہیں چاہتا۔ دوسرے یہ کہ اکثر سالکوں کے دل میں اس کی وجہ سے کبر وغرور پیدا ہو جاتا ہے

تیسرے یہ کہ اکثر سالک رویت ارواح کو ہی انتہائے بزرگی اور منتہائے سلوک سمجھ لیتے ہیں۔ان تینوں باتوں کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ ان تمام اشغال واوراد سے دست کش ہو جاتے ہیں جو تکمیل سلوک کے لیے ضروری ہیں۔وہ یہ سمجھ ہی نہیں سکتے کہ یہ تو سلوک کی الف بے تے ہے ابھی تو دائرہ ولایت میں پہلا قدم بھی نہیں رکھا گیا۔ہم خود کئی ایسے طالبوں کو جانتے ہیں جو اس مقام پر ایسے پھنسے کہ پھر آگے نہ بڑھ سکے اور اپنے اصلی مقصد یعنی حصول معرفت ورویت باری تعالیٰ سے محروم رہ گئے اس لیے طالبان راہ حق کے فائدے کے لیے عرض کیا جاتا ہے کہ اگر یہ مشاہدات پیش آئیں تو انہیں پر پشہ کے برابر بھی وقعت نہ دو۔ہو سکے تو بالکل نفی کر دو،نہ ہو سکے تو نظر انداز کر کے برابر آگے بڑھتے رہو اور اس وقت تک قدم کو سست نہ ہونے دو جب تک عدم سے پار نہ ہو جاؤ کہ اصل حقائق کا پتہ عدم سے آگے ہی لگتا ہے۔

سوانح نگاروں کا ظلم:

ایک دن بانی سلسلہ عالیہ توحیدیہ قبلہ حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ نے ارشاد فرمایا کہ قبر پرستی،پیر پرستی اور بزرگوں کو مافوق الفطرت ہستی جاننے میں سوانح نگاروں کا بھی بڑا ہاتھ ہے۔اولیائے کرام کے حالات وواقعات کو قلم بند کرنے والے عام طور پر ان کے مرید ہوتے ہیں اس لیے وہ اپنے بزرگوں کی زندگی کا تنقیدی جائزہ لینے کی بجائے اسے صرف عقیدت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ان سے سرزد ہونے والی کرامات کے فسانے خوب بڑھا چڑھا کر بیان کرتے ہیں۔اسی طرح اللہ والوں کی قبولیت دعا کے واقعات بھی اثر انگیز طریقوں سے تحریر کیے جاتے ہیں۔جب کوئی قاری اولیاءاللہ کے تذکروں میں مسلسل ایسے

واقعات پڑھتا ہے کہ فلاں بزرگ کے پاس ایک لاعلاج مریض حاضر ہوا تو انہوں نے اس کے لیے دعا کی تو اس کی بیماری دور ہوگئی۔ایک شخص آیا جس کی شادی کو بارہ برس گزر گئے تھے لیکن اولاد کی نعمت سے محروم تھا۔پیر صاحب نے اسے پانی دم کر کے پلایا،اس کی بیوی کو سیب دم کر کے کھلایا تو اس کے اولاد ہوگئی۔

ایک خاص مجلس میں قبلہ حضرتؒ پر ایک لمحہ کے لیے ایسی کیفیت طاری ہوئی کہ آپ نے پاس بیٹھے ہوئے احباب سے فرمایا ''مانگو کیا مانگتے ہو'' اس وقت جس نے جو کچھ مانگا اسے وہی مل گیا۔جس نے روحانی بزرگی مانگی اسے وہ مل گئی اور جس نے پیسہ مانگا وہ چند برسوں میں کروڑ پتی بن گیا وغیرہ وغیرہ۔تو اس کے ذہن میں لازمی طور پر یہ تاثر پیدا ہوتا ہے کہ اللہ والے بزرگ جو چاہتے ہیں کرتے ہیں وہ بگڑی ہوئی تقدیریں بناتے ہیں جس کو جو چاہیں عطا کر سکتے ہیں۔اللہ تعالیٰ انہیں ہر چیز کا اختیار دے دیتا ہے۔وہ مرنے کے بعد اپنے ماننے والوں کی حاجت روائی اور مشکل کشائی کے منصب پر فائز رہتے ہیں۔

میں یہ نہیں کہتا کہ اوپر دیئے گئے واقعات من گھڑت اور جھوٹے ہیں۔بخدا اس قسم کی کرامات بزرگوں سے صادر ہوتی رہتی ہیں بلکہ ان سے بھی عجیب تر واقعات کا ظہور ہوتا رہتا ہے اور اللہ والوں کی دعا سے ناممکن قسم کے کام بھی ممکن ہو جاتے ہیں لیکن یہ تصویر کا صرف ایک رخ ہے۔بزرگوں کی زندگی کے اس جزوی مطالعہ کی وجہ ہی سے خدا کے یہ مخلص بندے خود خدا دکھائی دینے لگتے ہیں۔

سوانح نگاروں نے ان کی زندگی کے صرف ایک پہلو پر روشنی ڈال کر بڑا ظلم کیا ہے۔انہیں چاہئے تھا کہ ان بزرگوں کی پوری زندگی کا جائزہ لیتے اور ان کو جن جن مصیبتوں اور تکلیفوں کا سامنا کرنا پڑا،وہ بھی بیان کرتے۔جو جو بیماریاں آئیں وہ بھی لکھتے

اور اللہ تعالیٰ کے حضور انہوں نے جو بہت سی دعائیں کیں اور اللہ تعالیٰ نے قبول نہیں کیں ان کا بھی ذکر کرتے۔ اس طرح ان کا تذکرہ پڑھنے والوں پر یہ حقیقت واضح ہو جاتی کہ اولیائے کرام اپنی روحانی بزرگی کے باوجود بھی اللہ تعالیٰ کے بندے ہی تھے۔ جہاں ان کی دعائیں قبول ہوئیں اور ان سے کرامات کا ظہور ہوا' وہاں کئی دعائیں اور التجائیں اللہ تعالیٰ نے نامنظور فرما دیں۔ اللہ اللہ ہے اور بندہ بندہ ہے۔ اللہ تعالیٰ منظور فرما لے تو ناممکن سے ناممکن کام بھی ہو جاتا ہے اور اگر وہ نہ چاہے تو اس پر کسی کا زور نہیں چلتا۔ خود میری اتنی کرامات ہیں کہ لکھنے بیٹھوں تو ایک کتاب بن جائے لیکن ہم انہیں وقعت نہیں دیتے۔ ہم تعلیم اور اخلاق پر زیادہ زور دیتے ہیں۔ اگر اخلاق اچھا نہ ہو تو روحانی طاقت بھی فضول ہے کیوں کہ اس سے انسان ولی الرحمٰن بننے کی بجائے ولی الشیطان بن جاتا ہے۔ میری دعاؤں سے کئی ایک بیماروں کو شفا اور بے اولادوں کو اولاد عطا ہوئی۔

شاہدرہ والے ڈاکٹر صادق کی بھینس دودھ دو ہنے نہیں دیتی تھی میں نے اسے کہا کہ جا کر بھینس کے کان میں کہہ دو کہ انصاری صاحب کہتے ہیں کہ دودھ دے دو۔ تو اس نے فوری طور پر دودھ دینا شروع کر دیا۔ پشاور میں ایک مرتبہ بجلی چلی گئی۔ میں سویا ہوا تھا لیکن جو پنکھا میرے لیے لگا رکھا تھا وہ بدستور چلتا رہا اور بیسیوں بھائیوں نے دیکھا۔ یہ سب کچھ کون کرتا ہے؟ اللہ کرتا ہے۔ وہ جب چاہتا ہے تب ہی ایسا ہوتا ہے، ہر وقت ایسا نہیں ہوتا۔ یہی کرامات کی حقیقت ہے کہ یہ سب اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی طاقت سے ہوئیں اور ہوں گی۔ جب اللہ چاہتا ہے کہ کسی بزرگ سے کوئی کرامت سرزد ہو تو اس کی طاقت عارضی طور پر اس کو دے دیتا ہے۔ کرامات وغیرہ کی طاقتیں اولیاء کی ذاتی طاقتیں نہیں ہوتیں۔ وہ اللہ تعالیٰ کے محبوب اور مقرب بندے ہوتے ہیں اور ان کے ذریعے سے نوع انسان کو ہدایت ملتی ہے اس

لیے ہمیں ان کی عزت اور محبت کرنی چاہیے۔ نہ تو ان کو خدا اور مشکل کشا سمجھنا چاہیے اور نہ ہی ان کے متعلق کبھی کوئی برائی دل میں لانی چاہیے۔ میری اپنی زندگی میں کتنی مصیبتیں آئیں لیکن میں کسی کو بھی دور نہیں کر سکا۔ ملازمت کے دوران جب میں شملہ میں تھا تو گھر میں چوری ہوگئی چور سب کچھ لے گئے اور گھر کا صفایا ہو گیا۔

ایک مرتبہ بغیر کسی قصور کے نوکری سے نکال دیا گیا اور مجبوراً لہڈیوں کا کاروبار کرنا پڑا اور کچھ عرصہ قیام ایک جنگل میں رہا۔ کئی ایک بیماریاں لگیں جن میں چند ایک نے کافی طول کھینچا۔ اب بھی کتنی ساری ہیں کس کس کا نام لوں۔ اب آخری وقت اور بڑھاپے میں اللہ میاں نے ٹانگ توڑ دی ہے۔ ایک ہی جوان بیٹا تھا اسے اللہ نے واپس بلا لیا۔ عبدالستار خاں کے لیے میں نے بڑی دعائیں کیں کہ اللہ تعالیٰ انہیں بیٹا دے لیکن نہیں دیا۔ اللہ تعالیٰ کے حکم کے بغیر کچھ نہیں ہوسکتا۔ ایک مرتبہ میرے پاس سیب آئے تو میں نے دم کر کے ایک سیب بیگم ستار کو بھیجا کہ اسے کھا لے، مجھے یقین تھا کہ اللہ تعالیٰ اولادِ نرینہ سے نوازے گا۔ اتفاق سے ان کے پاس کوئی مہمان عورت آئی ہوئی تھی انہوں نے سیب اسے کھلا دیا اور اللہ نے اسے فرزند عطا فرمایا۔ اب بتاؤ جب اللہ ہی نہ چاہے تو کیا ہوسکتا ہے۔ اس پر کسی کا زور نہیں چلتا وہ جو چاہے کرے کہ وہ ہر شے پر قادر ہے۔

الغرض زندگی میں ہر قسم کی مشکلات آئیں۔ کبھی کچھ ہوا بس صرف فاقے نہیں آئے ان کا مجھے انتظار ہی رہا۔ یہ ہے بزرگی کا دوسرا رخ جو سوانح نگاروں کو چاہیے کہ اپنے قارئین کو ضرور دکھائیں تاکہ وہ جان لیں کہ اولیائے کرام اپنی بزرگی اور عظمت کے باوجود بھی اللہ تعالیٰ کے بندے ہی تھے اور بندے کا کام ہے کہ ہر حال میں اپنے آقا سے خوش رہے اور کبھی بھی حرفِ شکایت اپنی زبان پر نہ لائے۔

عید الفطر کے فضائل

(سعدیہ کریم)

نبی کریم ﷺ جب ہجرت کر کے مدینہ پہنچے تو اہل مدینہ دو تہوار منایا کرتے تھے اور ان میں کھیل تماشے کرتے تھے۔ آپ ﷺ نے ان سے پوچھا کہ یہ دو دن جو تم مناتے ہو ان کی کیا حقیقت ہے؟ انھوں نے عرض کیا کہ ہم جاہلیت میں یہ تہوار اسی طرح مناتے تھے تو آپ ﷺ نے اپنے صحابہؓ سے فرمایا کہ اللہ نے تمھارے ان دو تہواروں کے بدلے میں ان سے بہتر دو دن تمھارے لیے مقرر کر دیے ہیں۔

1۔عیدالفطر　　2۔عیدالاضحیٰ

اس طرح ان دو عیدوں کی ابتدا ہوئی دو ہجری میں آپ ﷺ نے صحابہ کرامؓ کو پہلی مرتبہ عید کی نماز پڑھائی۔ اب اگر دینی اور اسلامی روایات پر نظر ڈالی جائے تو پتہ چلتا ہے کہ عیدالفطر رمضان المبارک کے مہینے کے خاتمہ کی علامت ہے۔ اقوام عالم میں مسلمان عید کا تہوار بڑے مذہبی و دینی جوش و جذبے سے مناتے ہیں۔ رمضان المبارک کی رحمتیں، برکتیں اور مغفرتیں حاصل کرنے کے بعد امت مسلمہ کو بونس کے طور پر عید کا تحفہ دیا گیا ہے اور اس عید کے دن کی خوشی منانا مستحب کا درجہ رکھتا ہے۔ حدیث پاک میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

"جس نے عیدین کی رات میں طلب ثواب کے لیے قیام کیا اس دن اس کا دل نہیں مرے گا جس دن لوگوں کے دل مر جائیں گے۔" (ابن ماجہ)

حضرت معاذ بن جبلؓ سے مروی ہے کہ "جو پانچ راتوں میں شب بیداری کرلے اس کے لیے جنت واجب ہو جاتی ہے۔ ذوالحج کی آٹھویں، نویں اور دسویں رات،

چوتھی عیدالفطر کی رات اور پانچویں شعبان المعظم کی پندرہویں رات جیسے شب برات۔''

عید کا مفہوم اور وجہ تسمیہ:　　عید کا لغوی مفہوم ہے ''لوٹنا''۔اس نام کی وجہ تسمیہ اس دن کا ہر سال پلٹ کر آتا ہے۔رمضان المبارک کی جسمانی و روحانی ریاضت کے نتیجے میں حاصل ہونے والی روحانی پاکیزگی اور خوشی کے ''عود'' کر آنے کی وجہ سے بھی اس دن کو عید کہا جاتا ہے۔یہ ایک عظیم اور تاریخی دن ہے۔

عیدالفطر کی حقیقت اور فضیلت احادیث مبارکہ کی روشنی میں:　　عید رقص و سرود یا موج مستی کا نام نہیں بلکہ ہمارے دین میں عید کی بنیاد روح کی لطافت، تصفیہ قلب، تزکیہ نفس، طہارت، ایثار و ہمدردی، محبت و مودت، اتحاد و اتفاق اور خشوع و خضوع پر رکھی گئی ہے یعنی عید کا دن کوئی علامتی خوشی اور رسم و رواج کا دن نہیں بلکہ ایک دینی، مذہبی اور پاکیزہ تہوار ہے۔رمضان المبارک میں کی جانے والی عبادتوں کے بدلے اور انعام کا دن ہے۔عیدالفطر کی رات کو ''لیلۃ الجائزہ'' اور عیدالفطر کے دن کو ''یوم الجوائز'' یعنی انعامات اور بدلے کا دن کہا جاتا ہے نبی کریم ﷺ نے اسے مذہبی تہوار قرار دیتے ہوئے فرمایا کہ

''بے شک ہر قوم کے لیے عید کا دن ہوتا ہے اور یہ ہماری عید کا دن ہے۔''

عیدالفطر کے دن اللہ تعالیٰ فرشتوں کو گواہ بنا کر روزہ داروں کی مغفرت فرما دیتا ہے اور روزہ داروں کے گناہوں کو نیکیوں سے بدل دیتا ہے۔چنانچہ لوگ عید کی نماز پڑھ کر عیدگاہ سے بخشے بخشائے گھر واپس آتے ہیں۔

حضرت عبداللہ ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ: ''عیدالفطر کی مبارک رات کو ''لیلۃ الجائزہ'' کہا جاتا ہے یعنی انعام کی رات۔عید کے دن صبح کے وقت اللہ تعالیٰ اپنے فرشتوں کو زمین پر بھیجتا ہے وہ زمین کی سب گلیوں اور راستوں پر کھڑے ہو جاتے ہیں اور مسلمانوں کو صدائیں لگاتے ہیں

کہ اے امت محمدﷺ! اس رب کی طرف چلو جو بہت زیادہ عطا کرنے والا ہے اور بڑے سے بڑے گناہ معاف کرنے والا ہے۔ پھر اللہ اپنے بندوں سے فرماتا ہے کہ اے میرے بندو! مانگو کیا مانگتے ہو؟ میری عزت و جلال کی قسم آج کے دن نماز عید کے اجتماع میں اپنی آخرت کے بارے میں جو سوال کرو گے وہ پورا کروں گا اور جو دنیا کے بارے میں مانگو گے اس میں تمھاری بھلائی فرماؤں گا۔ میری عزت کی قسم جب تک تم میرا لحاظ رکھو گے میں بھی تمھارے گناہوں کی پردہ پوشی کروں گا۔ میری عزت وجلال کی قسم میں تمھیں حد سے بڑھنے والوں کے ساتھ رسوا نہیں کروں گا پس اپنے گھروں کی طرف مغفرت یافتہ لوٹ جاؤ تم نے مجھے راضی کر دیا اور میں تم سے راضی ہو گیا۔'' (الترغیب والترہیب)

اس حدیث مبارکہ سے عید الفطر کی فضیلت ہے کہ اس دن رب کی رحمت جوش پر ہوتی ہے اور ہر مانگنے والے کو عطا کیا جاتا ہے۔ اسی طرح ایک اور حدیث میں ہے کہ

''عید والے دن جب لوگ عید گاہ میں صف بستہ رب کے حضور حاضر ہوتے ہیں تو اللہ تعالیٰ اپنے فرشتوں سے پوچھتا ہے کہ اے فرشتو! ذرا یہ بتاؤ کہ محنت سے کام کرنے والے مزدور کا معاوضہ کیا ہونا چاہیے؟ فرشتے عرض کرتے ہیں یا اللہ! معاوضہ یہ ہے کہ اس مزدور کی پوری مزدوری اسے دے دی جائے۔ اللہ فرماتا ہے کہ اے فرشتو! گواہ رہو میں اپنے نیک بندوں کو رمضان کے روزے اور راتوں کی نمازوں کے بدلے اپنی خوشنودی اور مغفرت سے مالا مال کرتا ہوں۔ یہ سن کر فرشتے خوش ہوتے ہیں اور امت کو بشارت دیتے ہیں۔'' (تذکرۃ الواعظین)

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ: ''عید الفطر کی صبح حضرت جبرائیل علیہ السلام اللہ کے حکم سے نبی کریمﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتے ہیں ان کے ساتھ ستر ہزار فرشتے

ہوتے ہیں سب کے ہاتھوں میں جھنڈیاں ہوتی ہیں۔حضرت اسرافیل علیہ السلام دائیں اور میکائیل علیہ السلام بائیں طرف ہوتے ہیں۔یہ فرشتے عرش کے نیچے آتے ہیں جہاں نور کی قندیلیں آویزاں ہیں اور انبیاء وصلحا اور شہدا کی ارواح قیام پذیر ہوتی ہیں۔ان کے درمیان ایک نہایت نورانی قندیل ہے جس کی روشنی چاند اور سورج کی روشنی پر بھی غالب ہے۔اس قندیل کی چوڑائی ستر ہزار برس کی راہ ہے اور لمبائی کا علم صرف اللہ کی ذات کو ہے،حضرت جبرائیل علیہ السلام اس فوج کے ساتھ حضور اکرم ﷺ کی بارگاہ میں اللہ تعالیٰ کا درود وسلام پیش کرتے ہیں اور باادب کھڑے ہوجاتے ہیں۔نبی کریم ﷺ ان کی آمد کا مقصد پوچھتے ہیں کہ کیا قیامت برپا ہوگئی ہے؟وہ کہتے ہیں کہ ابھی نہیں،آج تو عید کا دن ہے اور رحمت الٰہی اپنے جوش پر ہے۔آج رمضان کے روزے رکھنے والے،تسبیح وتراویح پڑھنے والے،فقراء و مساکین کو صدقہ دینے والوں کو اجر عظیم ملنے کا دن ہے۔سب لوگ عید گاہ میں نماز عید کے لیے جمع ہوں گے۔یارسول اللہ ﷺ یہ تمام فرشتے اور نیک ارواح آپ ﷺ کی خدمت میں التجا کرتے ہیں کہ آپ ﷺ دنیا کی طرف تشریف لے چلیں تاکہ ہم بھی آپ ﷺ کے ساتھ چلیں اور دنیا میں اپنے متعلقین کو دیکھ آئیں نبی کریم ﷺ ارشاد فرماتے ہیں کہ اے پاک روحو!اگر تمھارا یہی ارادہ ہے تو میرے ساتھ چلو۔نبی کریم ﷺ اپنی امت کو دیکھنے کے لیے دنیا میں تشریف لاتے ہیں۔نہایت ہی تزک واحتشام کے ساتھ اس مبارک جلوس کا زمین پر نزول ہوتا ہے جب نماز عید ختم ہوتی ہے تو سب ارواح واپس چلی جاتی ہیں جو شخص محتاجوں اور مساکین کو کھانا اور صدقہ وخیرات دے کر اس کا ثواب اپنے مرحومین کو ایصال کرتا ہے تو اس کے مرحومین خوش ہوجاتے ہیں اور اس کے لیے دعائے خیر کرتے ہیں۔"

عید کے آداب: عید مسلمانوں کا مذہبی و دینی تہوار ہے جس کی اہمیت وفضیلت قرآن و

حدیث سے ثابت ہے اس دن کے مخصوص آداب وشرائط ہیں جن کا جاننا ضروری ہے عید کے چند آداب درج ذیل ہیں:

1۔نمازِعید کے لیے جانے سے پہلے غسل کرنا۔

2۔نمازِعید کے لیے جانے سے پہلے کچھ نہ کچھ کھانا۔

3۔عید کے دن تکبیریں کہنا۔ 4۔عید کی مبارکباد دینا۔

5۔عید کے لیے اچھا لباس پہننا اور زیب و زینت کرنا۔

6۔نمازِعید کے لیے آنے جانے میں راستہ بدلنا۔

عید کے مسنون اعمال: عید کے مسنون اعمال میں درج ذیل چیزیں شامل ہیں:

1۔شریعت کے مطابق زیب و زینت کرنا۔ 2۔غسل کرنا۔

3۔مسواک کرنا۔ 4۔عمدہ کپڑے پہننا۔

5۔خوشبو لگانا۔ 6۔عید گاہ جانے سے پہلے میٹھی چیز کھانا۔

7۔نمازِعید سے پہلے صدقۂ فطر دے دینا۔ 8۔عید کی نماز عید گاہ میں پڑھنا۔

9۔ایک راستے سے عید گاہ جانا اور دوسرے راستے سے واپس آنا۔

10۔پیدل چل کے جانا۔ 11۔تکبیرات پڑھتے ہوئے جانا۔

عید کے دن صدقۂ فطر نکالنا: اسلام ایک عالمگیر دین ہے جس میں نوع انسانی کے ہر طبقے کی عزت و احترام، محبت و مودت اور رواداری کا حکم دیا گیا ہے۔ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ ''عید کے دن غریبوں کی مالی مدد کرو۔''

اسی لیے ہر صاحبِ نصاب شخص پر اپنے اور اپنے زیرِ کفالت لوگوں کی طرف سے عید کے دن فطرانہ ادا کرنا واجب ہے۔صدقۂ فطر رمضان کے دوران بھی دیا جاسکتا ہے اور

اگر کسی وجہ سے تاخیر ہو جائے تو عید کے بعد بھی دیا جاسکتا ہے لیکن عید الفطر کے دن سورج نکلنے کے بعد نماز سے پہلے فطرانہ ادا کرنا زیادہ پسندیدہ ہے صدقۂ فطر چار قسم کی چیزوں سے دیا جاسکتا ہے۔ گیہوں، جو، کھجور اور کشمش میں صدقۂ فطر دینا واجب ہے۔ پونے دو کلو گندم/ گیہوں اور باقی تینوں میں ساڑھے تین کلو فی کس کے حساب سے فطرانہ دیا جاتا ہے۔ اسی طرح اس مقدار کی قیمت بھی دی جاسکتی ہے۔ قیمت یا رقم دینا زیادہ بہتر ہوتا ہے۔

فطرانہ کا مقصد: غریبوں اور محتاجوں کی دلجوئی اور حاجت روائی کرنا ہے تاکہ وہ بھی عید کی خوشی بہترین انداز میں منا سکیں۔ اسی لیے صاحب ثروت اور صاحب حیثیت لوگوں پر اس کی قیمت کا اندازہ الگ الگ ان کی معاشی حالت کے حساب سے ہوگا۔ صاحب حیثیت اور متمول لوگ کھجور اور کشمش وغیرہ کی قیمتوں کے ذریعے فطرانہ ادا کریں تاکہ غریبوں اور محتاجوں کا فائدہ ہو سکے۔

صدقۂ فطر صرف صاحب حیثیت اور صاحب ثروت پر فرض نہیں ہے بلکہ فقیر اور غیر صاحب نصاب لوگوں کو بھی ان کی استعداد کے مطابق صدقۂ فطر نکالنے کی ترغیب دی گئی ہے۔ صدقۂ فطر 2 ہجری میں فرض ہوا۔ صدقۂ فطر عورت پر کسی اور کی طرف سے ادا کرنا واجب نہیں نہ بچوں کی طرف سے اور نہ ماں باپ شوہر کی طرف سے۔

صدقۂ فطر دینے کی فضیلت: نبی کریم ﷺ نے عید کے دن ضرورت مندوں، محتاجوں اور بیواؤں کو اس خوشی میں شریک کرنے کے لیے صدقۂ فطر ادا کرنے کا حکم دیا ہے۔ صدقۂ فطر ادا کرنے کے تین فائدے ہیں۔

1۔ روزوں کا قبول ہونا۔ 2۔ موت کی سختی سے محفوظ ہونا۔ 3۔ عذاب قبر سے امن پانا۔

ایک روایت کے مطابق نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”اے مومنو! صدقۂ فطر کو اپنا توشہ

کرواور جنت کوآراستہ کرو۔صدقۂ فطر دینے والے کے تمام روزے اللہ تعالیٰ قبول فرماتا ہے اور تمام گناہ بخش دیتا ہے اوراس کے مرنے کے بعد فرشتے اس کی زیارت کے لیے آتے ہیں وہ قیامت کے دن براق پر سوار کر کے جنت میں بھیجا جائے گا۔“

یہ بھی حدیث میں ہے کہ ”صدقۂ فطر دینے والے کوہر دانے کے بدلے جنت میں ایک گھر دیا جاتا ہے اور ایک حورعطا کی جاتی ہے۔“

حضرت سعیدابن جبیر سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”یوم فطر کا اکرام کیا کرو اور معاصی وضرر سے بچا کرو۔“

نبی کریم ﷺ یوم عیدالفطر منایا کرتے تھے۔ایک دفعہ عید کے دن آپ ﷺ کے گھر میں کھانے کے لیے کچھ نہ تھا جب آپ ﷺ عید گاہ جانے لگے تو حضرت عائشہ صدیقہؓ نے فرمایا آج آپ ﷺ کی کسی بیوی کے گھر میں بھی کھانے کے لیے کچھ نہیں ہے۔آپ ﷺ نے فرمایا ”یہ وہ وقت ہے کہ مجھ پر اتمام نعمت،وہ ساعت ہے کہ مجھ پر فقر کا اطلاق پورا ہوا تم غمگین نہ ہو۔“

حضرت عائشہؓ نے فرمایا میں اس سے خوش ہوں مگر آج کے دن جو فقرا بیوائیں اور یتیم آپ ﷺ کے کاشانہ اقدس میں آئیں گے مجھے ان سے شرمندگی محسوس ہوگی۔آپ ﷺ نے جواب دیا کہ ہمیں اور انھیں اللہ تعالیٰ دے گا۔یہ کہہ کر آپ ﷺ عید گاہ تشریف لے گئے اور نماز عید ادا کی۔جب واپس گھر تشریف لائے تو دیکھا کہ آپ ﷺ کے دروازے سے فقراء کھانے لیے جارہے ہیں۔حضرت عائشہؓ نے آپ ﷺ کو دیکھ کر فرمایا کہ اپنے صحابہ کرامؓ کو بلا لیجیے وہ بھی آکر کھانا کھالیں۔آپ ﷺ نے پوچھا کہ یہ کہاں سے آیا۔انھوں نے جواب دیا کہ حضرت عثمانؓ نے 10 اونٹ آٹے کے، دس اونٹ روغن، دس اونٹ شہد سو بکریاں اور پانچ سو دینار بھیجے ہیں۔آپ ﷺ نے جوش شفقت اور رحمت سے فرمایا اے اللہ

عثمان بن عفان پر حساب آسان کر دے۔اسی وقت حضرت جبرائیل نے حاضر ہو کر فرمایا کہ آپ ﷺ کی دعا کو اللہ نے حضرت عثمانؓ کے حق میں پورا فرمالیا ہے ان سے روز قیامت حساب نہیں ہوگا۔آپ ﷺ نے فرمایا جو کوئی عید کے دن بیوہ کو ہانڈی چڑھوا دے۔اللہ تعالیٰ اس سے ایک برس کا حساب نہیں لے گا۔

نماز عید کے واجب ہونے کی شرائط: 1۔کسی بڑے شہر، گاؤں میں مقیم ہونا۔ 2۔ صحت مند ہونا ضروری ہے بیمار پر نماز عید فرض نہیں۔ 3۔آزاد ہونا۔ 4۔مرد ہونا۔ 5۔ بالغ ہونا۔ 6۔عاقل ہونا کیونکہ مجنون پر کوئی عبادت لازم نہیں۔ 7۔بینا ہونا کیونکہ نابینا بھی غیر مکلّف ہے۔ 8۔چلنے پر قادر ہونا، اپاہج اور پیر کٹے لوگ مستثنیٰ ہیں۔ 9۔سخت بارش اور کیچڑ وغیرہ نہ ہونا۔ 10۔مسجد جانے میں کسی دشمن کا خوف نہ ہونا۔

عید والے دن عید کی نماز پڑھنا مندرجہ بالا باتوں سے مشروط کیا گیا ہے اگر یہ شرائط پوری ہوں تو نماز عید لازمی ادا کرنی چاہیے۔

حاصل کلام: عید الفطر مسلمانوں کا انتہائی اہم تہوار اور خوشی وانعام کا دن ہے جو رمضان المبارک کے اجر کے طور پر عطا کیا جاتا ہے۔اس دن کو خاص روحانیت ونورانیت عطا کی جاتی ہے تاکہ لوگ اپنے رب کی طرف متوجہ ہوں۔نبی کریم ﷺ اور اہل بیتؓ کے افراد بھی اس دن کو اہتمام سے مناتے تھے۔مسلمانوں کو اس دن کو اہتمام سے منانے کا حکم دیا گیا ہے۔اس دن اللہ کی حمد وثناء کے ساتھ ساتھ اپنے مسلمان بھائیوں کو بھی اپنی خوشیوں میں شامل کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔عید کے دن ایک دوسرے سے ملنا اور ایک دوسرے کو عید کی مبارک دینا مستحب عمل ہے۔صحابہ کرامؓ ایک دوسرے کو عید کی مبارکباد دیتے ہوئے فرماتے تھے کہ ''اللہ تمھارے اور ہمارے اعمال قبول فرمائے۔''

اہل تصوّف اور دینی جدوجہد

(از مولانا سید ابوالحسن علی ندوی)

دُنیا میں بہت سی چیزیں بعض خاص اسباب کی بناء پر بغیر علمی تنقید و تحقیق کے تسلیم کر لی جاتی ہیں اور ان کو ایسی شہرت و مقبولیت حاصل ہو جاتی ہے کہ اگر چہ ان کی کوئی علمی بنیاد نہیں ہوتی مگر خواص بھی ان کو زبان و قلم سے بے تکلف دہرانے لگتے ہیں۔ انہی مشہوراتِ بے اصل میں سے یہ بات بھی ہے کہ تصوف تعطل و بے عملی، حالات سے شکست خوردگی اور میدانِ جدوجہد سے فرار کا نام ہے، لیکن عقلی و نفسیاتی طور پر بھی اور عملی اور تاریخی حیثیت سے بھی ہمیں اس دعوے کے خلاف مسلسل طریقہ پر داخلی و خارجی شہادتیں ملتی ہیں۔

سیرت سید احمد شہیدؒ میں "تزکیہ و اصلاحِ باطن" کے عنوان کے ماتحت خاکسار راقم نے حسبِ ذیل الفاظ لکھے تھے، جس میں آج بھی تبدیلی کی ضرورت نہیں محسوس ہوتی اور اس حقیقت پر پہلے سے زیادہ یقین پیدا ہو گیا ہے۔

"یہ بات بھی قابلِ ذکر ہے کہ سرفروشی و جانبازی، جہاد و قربانی اور تجدید و انقلاب و فتح و تسخیر کے لیے جس روحانی و قلبی قوت، جس وجاہتِ شخصیت، جس اخلاص و للّٰہیت، جس جذب و کشش اور جس حوصلہ اور ہمت کی ضرورت ہے وہ بسا اوقات روحانی ترقی، صفائی باطن، تہذیبِ نفس، ریاضت و عبادت کے بغیر نہیں پیدا ہوتی۔ اس لیے آپ دیکھیں گے کہ جنہوں نے اسلام میں مجددانہ یا مجاہدانہ کارنامے انجام دیئے ہیں، ان میں سے اکثر افراد روحانی حیثیت سے بلند مقام رکھتے تھے۔ ان آخری صدیوں پر نظر ڈالیے — امیر عبدالقادر الجزائری، مجاہدِ الجزائر؛ محمد احمد السودانی (مہدی سودانی)؛ سید احمد شریف السوسی

(امام سنوسی) کو آپ اس میدان کا مرد پائیں گے۔ حضرت سید احمد ایک مجاہد قائد کے علاوہ اور اس سے پہلے ایک عزیز القدر روحانی پیشوا اور بے مثل شیخ الطریقت تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ مجاہدات و ریاضات، تزکیہ نفس اور قربِ الٰہی سے عشقِ الٰہی اور جذب وشوق کا جو مرتبہ حاصل ہوتا ہے اس میں ہر رونگٹے سے یہی آواز آتی ہے:

ہمارے پاس ہے کیا جو فدا کریں تجھ پر
مگر یہ زندگی مستعار رکھتے ہیں

اس لیے روحانی ترقی اور کمالِ باطنی کا آخری اور لازمی درجہ شوقِ شہادت ہے اور مجاہدے کی تکمیل جہاد ہے۔"

نفسیاتی پہلو سے غور کیجیے گا تو معلوم ہوگا کہ یقین اور محبت ہی وہ شہپر ہیں، جن سے جہاد و جدوجہد کا شہسوار پرواز کرتا ہے، مرغوباتِ نفسانی، عادات و مالوفاتِ مادی، مصالح و منافع، اغراض و خواہشات کی پستیوں سے وہی شخص بلند ہوسکتا ہے اور "خَلَدَ اِلَی الْاَرْضِ وَ اتَّبَعَ هَوٰهُ" کے دامِ ہمرنگِ زمین سے وہی شخص بچ سکتا ہے جس میں کسی حقیقت کے یقین اور کسی مقصد کے عشق نے "پارہ کی تقدیرِ سیمابی" اور تجلیوں کی بے تابی پیدا کردی ہو۔

انسانی زندگی کا طویل تجربہ ہے کہ محض معلومات و تحقیقات اور مجرد قوانین و ضوابط اور صرف نظم وضبط، سرفروشی و جانبازی بلکہ سہل تر ایثار و قربانی کی طاقت و آمادگی پیدا کرنے کے لیے بھی کافی نہیں ہے۔ اس کے لیے اس سے کہیں زیادہ گہرے اور طاقتور تعلق اور ایک ایسی روحانی لالچ اور غیر مادی فائدہ کے یقین کی ضرورت ہے کہ اس کے مقابلے میں زندگی بارِ دوش معلوم ہونے لگے۔ کسی ایسے ہی موقع اور حال میں کہنے والے نے کہا تھا:

جان کی قیمت دیارِ عشق میں ہے کوئے دوست

اس نویدِ جاں فزا سے سروبالِ دوش ہے

اس لیے کم سے کم اسلام کی تاریخ میں ہر مجاہدانہ تحریک کے سرے پر ایک ایسی شخصیت نظر آتی ہے جس نے اپنے حلقہء مجاہدین میں یقین ومحبت کی یہی روح پھونکی تھی اور اپنے یقین ومحبت کو سینکڑوں اور ہزاروں انسانوں تک منتقل کر کے ان کے لیے تن آسانی و راحت طلبی کی زندگی دشوار اور پامردی اور شہادت کی موت آسان وخوشگوار بنادی تھی اور ان کے لیے جینا اتنا ہی مشکل ہو گیا تھا، جتنا دوسروں کے لیے مرنا مشکل تھا۔ یہی وہ حلقہ و امامِ وقت ہے جس کے متعلق اقبال مرحوم نے کہا ہے:

ہے وہی تیرے زمانے کا امامِ برحق

جو تجھے حاضر و موجود سے بیزار کرے

موت کے آئینے میں تجھ کو دکھا کر رخِ دوست

زندگی اور بھی تیرے لیے دشوار کرے

دے کے احساسِ زیاں تیرا لہو گرما دے

فقر کی سان چڑھا کر تجھے تلوار کرے

معمولی و معتدل حالات میں قوموں کی قیادت کرنے والے، فتح ونصرت کی حالت میں لشکروں کو لڑانے والے ہر زمانے میں ہوتے ہیں۔اس کے لیے کسی غیر معمولی یقین وشخصیت کی ضرورت نہیں، لیکن مایوس کن حالات اور قومی احتضار کی کیفیات میں صرف وہی مردِمیدان حالات سے کشمکش کی طاقت رکھتے ہیں جو اپنے خصوصی تعلق باللہ اور قوتِ ایمانی و روحانی کی وجہ سے خاص یقین وکیفیتِ عشق کے مالک ہوں۔ چنانچہ جب مسلمانوں

کی تاریخ میں ایسے تاریک وقفے آئے کہ ظاہری علم وحواس وقوتِ مقابلہ نے جواب دے دیا اورحالات کی تبدیلی امرِ محال معلوم ہونے لگی تو کوئی صاحبِ یقین وصاحبِ عشق میدان میں آیا ،جس نے اپنی جرأتِ رندانہ اور کیفیتِ عاشقانہ سے زمانہ کا بہتاہوا دھارا بدل دیا۔اور اللہ تعالیٰ نے "یُخْرِجُ الْحَیَّ مِنَ الْمَیِّتِ"اور "یُحْیِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا" کا منظر دکھا دیا۔

تاتاریوں نے جب تمام عالمِ اسلام کو پامال کر کے رکھ دیا، جلال الدین خوارزم شاہ کی واحد اسلامی سلطنت اور عباسی خلافت کا چراغ ہمیشہ کے لیے گل ہوگیا تو تمام عالمِ اسلام پر یاس ومردنی چھا گئی۔تاتاریوں کی شکست ناممکن الوقوع چیز سمجھی جانے لگی اور یہ مثل زبان وادب کا جزو بن گئی کہ "اِذَا قِیْلَ لَکَ اِنَّ التَّتَارَ انْهَزَمُوا فَلَا تُصَدِّق" (اگر تم سے کوئی کہے کہ تاتاریوں نے کہیں شکست کھائی تو کبھی یقین نہ کرنا)۔اس وقت کچھ صاحبِ یقین و صاحبِ قلوب مردانِ خدا تھے جو مایوس نہیں ہوئے اور اپنے کام میں لگے رہے۔یہاں تک کہ تاتاری سلاطین کو مسلمان کرکے "صنم خانہ سے کعبہ کے لیے پاسبان" مہیا کر دیئے۔

ہندوستان میں اکبر کے دور میں ساری سلطنت کا رُخ الحاد و لادینیت کی طرف ہو گیا۔ہندوستان کا عظیم ترین بادشاہ ایک وسیع وطاقتور سلطنت کے پورے وسائل وذخائر کے ساتھ اسلام کا امتیازی رنگ مٹانا چاہتا تھا۔اس کو اپنے وقت کے لائق ترین وذکی ترین افراد اس مقصد کی تکمیل کے لیے حاصل تھے۔سلطنت میں ضعف وپیرانہ سالی کے کوئی آثار ظاہر نہ تھے کہ کسی فوجی انقلاب کی اُمید کی جاسکے۔علم وظاہری قیاسات کسی خوشگوار تبدیلی کے امکان کی تائید نہیں کرتے تھے۔اس وقت ایک درویشِ بےنوا نے تنِ تنہا اس انقلاب کا بیڑہ اٹھایا۔اور اپنے یقین وایمان،عزم وتوکل اور روحانیت وللّٰہیت سے سلطنت کے اندر ایک ایسا اندرونی انقلاب شروع کیا کہ سلطنتِ مغلیہ کا ہر جانشین اپنے پیشرو سے بہتر ہونے لگا۔

یہاں تک کہ اکبر کے تختِ سلطنت پر بالآخر محی الدین اورنگزیب نظر آیا۔ اس انقلاب کے بانی امامِ طریقت حضرت شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانیؒ تھے۔

انیسویں صدی عیسوی میں جب عالمِ اسلام پر فرنگی، تاتاریوں یا مجاہدینِ صلیب کی یورش ہوئی تو ان کے مقابلہ میں عالمِ اسلام کے ہر گوشہ میں جو مردانِ کار سر سے کفن باندھ کر میدان میں آئے، وہ اکثر و بیشتر شیوخِ طریقت اور اصحابِ سلسلہ بزرگ تھے، جن کے تزکیہ نفس اور سلوکِ راہِ نبوت نے ان میں دین کی حمیت، کفر کی نفرت، دنیا کی حقارت اور شہادت کی موت کی قیمت دوسروں سے پیدا کردی تھی۔ الجزائر (مغرب) میں امیر عبدالقادر نے فرانسیسیوں کے خلاف علمِ جہاد بلند کیا اور 1832ء سے 1847ء تک نہ خود چین سے بیٹھے، نہ فرانسیسیوں کو چین سے بیٹھنے دیا۔ مغربی مورخین نے ان کی شجاعت، عدل و انصاف، نرمی و مہربانی اور علمی قابلیت کی تعریف کی ہے۔

یہ مجاہد، ذوقاً و عملاً صوفی اور شیخِ طریقت تھا، امیر شکیب ارسلان نے ان الفاظ میں ان کا ذکر کیا ہے:

"امیر عبدالقادر مرحوم پورے عالم و ادیب، عالی دماغ اور بلند پایہ صوفی تھے، صرف نظری طور پر نہیں بلکہ عملاً اور ذوقاً بھی صوفی تھے، تصوف میں ان کی ایک کتاب (المواقف) ہے، وہ اس سلسلے کے یکتائے روزگار لوگوں میں سے تھے اور ممکن ہے کہ متاخرین میں ان کی نظیر دستیاب نہ ہو سکے۔"

دمشق کے زمانۂ قیام کے معمولات و اوقات کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

"روزانہ فجر کو اٹھتے، صبح کی نماز اپنے گھر کے قریب کی مسجد میں جو محلّہ العمارہ میں واقع ہے، پڑھتے، سوائے بیماری کی حالت کے کبھی اس میں ناغہ نہ ہوتا، تہجد کے عادی تھے اور

رمضان المبارک میں حضراتِ صوفیہ کے طریقہ پر ریاضت کرتے، برابر سلوک وتقویٰ اور اخلاقِ فاضلانہ پر قائم رہتے ہوئے 1883ء میں انتقال کیا۔"

1813ء میں داغستان پر جب روسیوں کا تسلط ہوا تو ان کا مقابلہ کرنے والے نقشبندی شیوخ تھے جنہوں نے علمِ جہاد بلند کیا اور اس کا مطالبہ اور جدوجہد کی کہ معاملات و مقدمات شریعت کے مطابق فیصل ہوں اور قوم کی جاہلی عادات کو ترک کر دیا جائے، امیر شکیب ارسلان لکھتے ہیں:

"اس جہاد کے علمبردار داغستان کے علماء اور طریقہ ءنقشبندیہ کے جو داغستان میں پھیلا ہوا ہے، شیوخ تھے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے اس حقیقت کو عام مسلمانوں سے پہلے سمجھ لیا تھا کہ اصل نقصان حکام سے پہنچتا ہے جو خطابات، عہدہ واقتدار، جھوٹی قیادت و سرداری، عیش ولذت اور تمغوں اور مرتبوں کی لالچ میں قوم فروشی کا ارتکاب کرتے ہیں۔ یہ سمجھ کر انہوں نے ملکی احکام اور ان کے حامی روسیوں کے خلاف علمِ بغاوت بلند کیا اور اس کا مطالبہ کیا کہ معاملات کا فیصلہ شریعتِ مطہرہ کے مطابق ہو نہ کہ قوم کی قدیم جاہلی عادات کے۔ اس تحریک کے قائد غازی محمد تھے، جن کو روسی "قاضی ملا" کے لقب سے یاد کرتے ہیں۔ وہ علومِ عربیت میں بلند پایہ رکھتے تھے۔ ان جاہلی عادات کے ترک کرنے کے بارے میں ان کی ایک تصنیف "اقامۃ البرھان علی ارتداد عرفاء داغستان" (داغستان کے چودھریوں اور برادری کے سرداروں کے ارتداد کا ثبوت) ہے۔"

1832ء میں غازی محمد شہید ہوئے ان کے جانشین حمزہ بنے۔ ان کے بعد شیخ شامل نے مجاہدین کی قیادت سنبھالی جو بقول امیر شکیب "امیر عبدالقادر الجزائری رحمۃ اللہ علیہ کے طرز پر تھے اور مشیخت سے امارت ہاتھ میں لی تھی"۔

شیخ شامل نے 25 برس تک روس سے مقابلہ جاری رکھا اور مختلف معرکوں میں ان پر زبردست فتح حاصل کی۔ روسی ان کی شوکت اور شجاعت سے مرعوب تھے۔ اور چند مقامات کو چھوڑ کر سارے ملک سے بے دخل ہو گئے تھے۔ 1843ء اور 1844ء میں شیخ نے ان کے سارے قلعے فتح کر لیے اور بڑا جنگی سامان مالِ غنیمت میں حاصل کیا۔ اس وقت حکومتِ روس نے اپنی پوری توجہ داغستان کی طرف مبذول کی۔ داغستان میں جنگ کرنے کے لیے باقاعدہ دعوت دی، شعراء نے نظمیں لکھیں اور پے در پے فوجیں روانہ کی گئیں۔ شیخ شامل نے اس کے باوجود بھی مزید دس برس تک جنگ جاری رکھی بالآخر 1859ء میں اس مجاہدِ عظیم نے ہتھیار ڈال دیئے۔

تصوف و جہاد کی جامعیت کی درخشاں مثال سیدی احمد شریف السنوسی کی ہے۔ اطالویوں نے برقہ وطرابلس کی فتح کے لیے پندرہ دن کا اندازہ لگایا تھا، نوآبادیوں اور بدویوں کی جنگ کا تجربہ رکھنے والے انگریز قائدین نے اس پر تنقید کی اور کہا کہ یہ اطالویوں کی ناتجربہ کاری ہے۔ اس مہم میں ممکن ہے تین مہینے لگ جائیں۔ لیکن نہ پندرہ دن، نہ تین مہینے، اس جنگ میں پورے تیرہ برس لگ گئے اور اطالوی پھر بھی اس علاقے کو مکمل طریقے پر مسخر نہ کر سکے۔ یہ سنوسی درویشوں اور ان کے شیخ طریقت سیدی احمد الشریف کی مجاہدانہ جدوجہد تھی جس نے اطالیہ کو پندرہ سال تک اس علاقے میں قدم جمانے نہیں دیئے۔

امیر شکیب نے لکھا ہے کہ سنوسیوں کے کارنامے نے ثابت کر دیا کہ طریقہ سنوسیہ ایک پوری حکومت کا نام ہے، بلکہ بہت سی حکومتیں بھی ان جنگی وسائل کی مالک نہیں ہیں، جو سنوسی رکھتے ہیں۔ خود سیدی احمد الشریف کے متعلق ان کے الفاظ ہیں:

"وہ مجھے سید سنوسی میں غیر معمولی صبر اور ثابت قدمی دکھائی دی جو کم لوگوں میں

دیکھی گئی ہے،اولوالعزمی ان کے ناصیہ اقبال سے ہویدا ہے۔ایک طرف اپنے تقویٰ وعبادت کے لحاظ سے اگر وہ اپنے زمانہ کے ابدال میں شمار ہونے کے قابل ہیں تو دوسری طرف شجاعت کے لحاظ سے دلیرانِ زمانہ کی صف میں شامل ہونے کے مستحق ہیں۔"

امیر شکیب نے صحرائے اعظم افریقہ کی سنوسی خانقاہ کی جو تصویر کھینچی ہے، وہ بڑی دل آویز اور سبق آموز ہے۔یہ خانقاہ واحۃ الکفرہ میں واقع تھی اور سیدی احمد الشریف کے چچا اور شیخ السید المھدی کے انتظام میں تھی۔اور افریقہ کا سب سے بڑا روحانی مرکز اور جہاد کا دارالتربیت تھی۔امیر مرحوم لکھتے ہیں:

سید مہدی صحابہ و تابعین کے نقشِ قدم پر تھے،وہ عبادت کے ساتھ بڑے عملی آدمی تھے، ان کو معلوم تھا کہ قرآنی احکام حکومت و اقتدار کے بغیر نافذ نہیں ہو سکتے۔اس لیے وہ اپنے برادرانِ طریقت اور مریدین کو ہمیشہ شہسواری،نشانہ بازی کی مشق کی تاکید کرتے رہتے۔ان میں غیرت اور مستعدی کی روح پھونکتے،ان کو گھوڑ دوڑ اور سپہ سالاری کا شوق دلاتے رہتے اور جہاد کی فضیلت واہمیت کا نقش ان کے دل پر قائم کرتے۔ان کی یہ کوششیں بارآور ہوئیں اور مختلف مواقع پر اس کے اچھے نتائج برآمد ہوئے۔خصوصاً جنگِ طرابلس میں سنوسیوں نے ثابت کر دیا کہ ان کے پاس ایسی مادی قوت ہے جو بڑی بڑی حکومتوں کی طاقت سے ٹکرا سکتی ہے اور بڑی باجبروت سلطنتوں کا مقابلہ کر سکتی ہے،صرف جنگِ طرابلس ہی میں سنوسیوں کا جوش وغضب ظاہر نہیں ہوا بلکہ علاقہ گانم اور وادی سوڈان میں وہ 1913ء سے 1922ء تک فرانسیسیوں سے برسرِ جنگ رہے ہیں۔

سید احمد الشریف نے مجھے سنایا کہ ان کے چچا سید مہدی کے پاس پچاس پچاس ذاتی بندوقیں تھیں،جن کو وہ بڑے اہتمام کے ساتھ اپنے ہاتھ سے صاف کرتے اور رکھتے

تھے، اگر چہ ان کے سینکڑوں کی تعداد میں مریدین تھے، مگر وہ اس کے روادار نہ تھے کہ یہ کام کوئی اور کرے تا کہ لوگ ان کی اقتدا کریں اور جہاد کی اہمیت کو سمجھیں اور اس کے سامان و ذخائر کا اہتمام کریں۔ جمعہ کا دن جنگی مشقوں کے لیے مخصوص تھا۔ گھوڑوں کی ریس ہوتی، نشانہ بازی کی مشق ہوتی وغیرہ وغیرہ۔

خود سید ایک بلند جگہ پر تشریف فرما ہوتے۔ شہسوار دو حصوں (پارٹیوں) میں تقسیم ہو جاتے اور دوڑ شروع ہوتی، یہ سلسلہ دن چھپے تک جاری رہتا۔ کبھی کبھی نشانہ مقرر ہوتا اور نشانہ بازی شروع ہوتی۔ اس وقت علماء و مریدین کا نمبر شہسواری و نشانہ بازی میں بڑھا ہی ہوا ہوتا، کیونکہ ان کے شیخ کی ان کے لیے خاص تاکید تھی۔ جو لوگ گھوڑ دوڑ میں پالا جیت لیتے یا نشانہ بازی میں بازی لے جاتے، ان کو قیمتی انعامات ملتے تا کہ جنگی کمالات کا انہیں شوق ہو۔ جمعرات کا دن دستکاری اور اپنے ہاتھ سے کام کرنے کے لیے مقرر تھا، اس دن اسباق بند ہو جاتے مختلف پیشوں اور صنعتوں میں لوگ مشغول ہوتے، کہیں تعمیر کا کام ہو رہا ہوتا، کہیں نجاری، کہیں لوہاری، کہیں پارچہ بافی، کہیں دراتی کا شغل نظر آتا۔ اس دن جو شخص نظر آتا وہ اپنے ہاتھ سے کام کرتا دکھائی دیتا۔ خود سید مہدی بھی پورے مشغول رہتے تا کہ لوگوں کو عمل کا شوق ہو۔

سید مہدی اور ان سے پہلے ان کے والد ماجد کو زراعت اور درخت لگانے کا بڑا اہتمام تھا۔ اس کا ثبوت ان کی خانقاہیں اور ان کے خانہ باغ ہیں، کوئی سنوسی خانقاہ ایسی نہیں ملے گی جس کے ساتھ ایک یا چند باغات نہ ہوں۔ وہ نئے نئے قسم کے درخت دور دراز مقامات سے اپنے شہروں میں منگواتے تھے۔ انہوں نے کفرہ اور جنوب میں ایسی زراعتیں اور درخت روشناس کئے جن کو وہاں کوئی جانتا بھی نہیں تھا۔

بعض طلباء سید محمد السنوسی (بانی سلسلہ سنوسیہ) سے کیمیا سکھانے کی درخواست

کرتے تھے تو وہ فرماتے تھے کہ " کیمیا ہل کے نیچے ہے "اور کبھی فرماتے " کیمیا کیا ہے ہاتھ کی محنت اور پیشانی کا پسینہ ہے"۔وہ طلباء اور مریدین کو پیشوں اور صنعتوں کا شوق دلاتے اور ایسے جملے فرماتے جن سے ان کی ہمت افزائی ہوتی اور وہ اپنے پیشوں اور صنعتوں کو حقیر نہ سمجھتے اور نہ ان میں علماء کے مقابلے میں احساسِ کمتری پیدا ہوتا۔چنانچہ فرماتے تھے "بس تم کو حسن نیت اور فرائض کی پابندی کافی ہے، دوسرے تم سے افضل نہیں، کبھی کبھی اپنے پیشہ وروں میں شامل کر کے اور ان کے ساتھ کام میں شرکت کرتے ہوئے فرماتے:

" کیا یہ کاندھوں والے (علماء) اور تسبیحوں والے (صوفیہ ذاکرین) سمجھتے ہیں کہ ہم اللہ تعالیٰ کے یہاں سبقت لے جائیں گے؟ نہیں خدا کی قسم! وہ ہم سے کبھی سبقت نہیں لے جاسکتے"۔

عالمِ اسلامی پر سید جمال الدین افغانی مرحوم کی شخصیت و دعوت نے جو اثر ڈالا ہے وہ کسی صاحبِ نظر سے مخفی نہیں، بلکہ کہا جاسکتا ہے کہ وہ نئے دنیائے اسلام کے معماروں میں ہیں سید جمال الدین افغانی سرتا پا دعوت وعمل اور ایک شعلہء جوالہ تھے، جس نے افغانستان سے لے کر ترکی تک تمام عالمِ اسلام میں حمیتِ اسلامی کی روح اور اتحادِ اسلامی کا صور پھونکا۔

یہاں یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ ان کے سوزِ دروں اور گرمیِ نفس میں اور ان کی بے چین طبیعت اور مسلسل جدوجہد میں ذکرِ قلبی اور باطنی بیداری کو بھی دخل ہے۔جس کے بغیر اکثر آدمی مسلسل محنت اور مخالفوں اور مایوس کن حالات کا ہمیشہ مقابلہ نہیں کرسکتا۔یہی حال ان کے شاگرد رشید اور دستِ راست شیخ محمد عبدہ کا ہے جو تصوف کے لذت آشنا اور اس کوچہ سے واقف تھے۔

معاصر دینی تحریکوں میں الاخوان المسلمون کی تحریک سب سے زیادہ طاقتور اور منظم تحریک ہے اور عالمِ عربی کے لیے تو وہ احیائے دین اور اسلام کی نشاۃ ثانیہ کی واحد تحریک ہے

اس کی بڑی خصوصیت یہ ہے کہ اس کی زندگی سے پورا ربط ہے اور ممالکِ عربیہ کی عمومی زندگی پر اس نے بڑا گہرا اور محسوس اثر ڈالا ہے۔ اس کے بانی شیخ حسن البنا مرحوم کی شخصیت بڑی موثر، دل آویز اور ہمہ گیر شخصیت تھی، وہ سرتا پا عمل اور مجسم جدوجہد تھے۔ نہ تھکنے والے، نہ مایوس ہونے والے نہ پست ہونے والے سپاہی اور داعی تھے۔ ان کی ان خصوصیات میں ان کے روحانی نشو ونما اور سلوک کو بڑا دخل ہے۔ وہ جیسا کہ انہوں نے اپنی خودنوشت سوانح میں تصریح کی ہے طریقہ حصافیہ شاذلیہ میں بیعت تھے اور با قاعدہ اس کے اذکار واشغال کی ورزش کی تھی۔

ان کے خواص اور معتمدین نے بیان کیا کہ وہ زندگی کے آخری مصروف ترین دنوں میں بھی اپنے اوراد و معمولات کے پابند رہے۔ اخوان کی پانچویں موتمر (1357ھ) میں انہوں نے اخوان کی تحریک کا تذکرہ کرتے ہوئے اس کی تعریف میں حسبِ ذیل جملے کہے تھے:

"ایک ایسی جماعت جس میں سلف کی دعوت اہل سنت کا طریقہ، تصوف کی حقیقت، سیاست، ورزش، علم وثقافت، اقتصادی تعاون اور اجتماعی فکر جمع ہیں۔"

ہندوستان میں تصوف و جہاد کا ایسا عجیب امتزاج واجتماع ملتا ہے جس کی نظیر دور دور ملنی مشکل ہے۔ اس سلسلہ میں حضرت سید احمد شہیدؒ کا تذکرہ تحصیلِ حاصل ہے کہ ان کی یہ جامعیت مسلمات میں سے ہے اور حدِ تواتر کو پہنچ چکی ہے۔ ان کے بقائے جہاد اور ان کے تربیت یافتہ اشخاص کے جوشِ جہاد، شوقِ شہادت، محبتِ دینی وبغض فی اللہ کے واقعات قرونِ اولیٰ کی یاد تازہ کرتے ہیں۔

جب کبھی ان کے مفصل واقعات سامنے آئیں گے تو اندازہ ہوگا کہ یہ قرونِ اولیٰ کا ایک بچا ہوا ایمانی جھونکا تھا جو تیرہویں صدی میں چلا تھا۔ اور جس نے دکھا دیا تھا کہ ایمان، توحید اور صحیح تعلق باللہ اور راہِ نبوت کی تربیت وسلوک میں کتنی قوت اور کیسی تاثیر ہے اور بغیر صحیح

روحانیت اور اصلاح کے پختہ جوش وجذبہ اور ایثار وقربانی اور جاں سپاری کی اُمید غلط ہے۔

سید صاحب رحمتہ اللہ علیہ کے جانشینوں میں مولانا سید نصیر الدین اور مولانا ولایت علی عظیم آبادی، سید صاحب کے پرتو تھے۔ان کے جانشینوں میں مولانا یحییٰ علی اور مولانا احمد اللہ صادق پوری دونوں حیثیتوں کے جامع تھے۔ایک طرف اُن کے جہاد وابتلاء اور امتحان کے واقعات امام احمد بن حنبل کی یاد کو تازہ کرتے ہیں اور وہ کبھی گھوڑے کی پیٹھ پر، کبھی انبالہ کے پھانسی گھر میں اور کبھی جزیرہ انڈمان میں محبوس نظر آتے ہیں۔دوسرے وقت وہ سلسلہ مجددیہ وسلسلہ محمدیہ (سید صاحب کے خصوصی سلسلہ) میں لوگوں کی تربیت وتعلیم میں مشغول دکھائی دیتے ہیں۔

درکفے جامِ شریعت درکفے سندانِ عشق
ہر ہوسناکے نداند جام وسندان باختن

ہندوستان کی پوری اسلامی تاریخ کی مجاہدانہ جدوجہد اور قربانیاں اگر ایک پلڑے میں رکھی جائیں اور اہل صادق پور کی جدوجہد اور قربانیاں دوسرے پلڑے پر تو شاید یہی پلڑا بھاری رہے۔

ان حضرات کے بعد بھی ہم کو اہل سلسلہ اور اصحاب ارشاد دینی جدوجہد اور جہاد فی سبیل اللہ کے کام سے فارغ اور گوشہ نشین نظر نہیں آتے۔شاملی کے میدان میں حضرت حاجی امداداللہ، حضرت حافظ ضامن، مولانا محمد قاسم نانوتویؒ، مولانا رشید احمد گنگوہی (رحمۃ اللہ علیہم) انگریزوں کے خلاف صف آرا نظر آتے ہیں۔حضرت حافظ ضامن وہیں شہید ہوتے ہیں۔ حضرت حاجی صاحب کو ہندوستان سے ہجرت کرجانی پڑتی ہے، مولانا نانوتویؒ ومولانا گنگوہیؒ کو عرصہ تک گوشہ نشین اور مستور رہنا پڑتا ہے۔

پھر مولانا محمود حسن دیوبندی رحمتہ اللہ علیہ (جن کو ہندوستان کے مسلمانوں نے بجا طور پر شیخ الہند کے لقب سے یاد کیا) انگریزوں کے خلاف جہاد کی تیاری کرتے ہیں اور ہندوستان کو ان کے وجود سے پاک کر کے ایک ایسی حکومت قائم کرنا چاہتے ہیں جس میں مسلمانوں کا اقتدار اعلیٰ اور ان کے ہاتھ میں ملک کی زمامِ کار ہو۔ ان کی بلند ہمتی ان کو ترکی سے تعلقات قائم کرنے اور ہندوستان و افغانستان و ترکی کو ایک سلسلہ جہاد میں منسلک کرنے پر آمادہ کرتی ہے۔ ریشمی خطوط، انور پاشا کی ملاقات، مالٹا کی اسارت، ان کی عالی ہمتی اور قوتِ عمل کا ثبوت ہے۔ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ فَمِنْهُمْ مَنْ قَضٰى نَحْبَهٗ وَمِنْهُمْ مَنْ يَّنْتَظِرُ وَمَا بَدَّلُوْا تَبْدِيْلًا۔

ان مسلسل تاریخی شہادتوں کی موجودگی میں یہ کہنا کہاں تک صحیح ہوگا کہ تعطل و بے عملی، حالات کے مقابلے میں سپر اندازی اور پسپائی تصوف کے لوازم میں سے ہے۔ اگر اس دعوے کے ثبوت میں چند متصوفین اور اصحابِ طریقت کی مثالیں ہیں تو اس کے خلاف بڑی تعداد میں ان ائمہ فن اور شیوخِ طریقت کی مثالیں ہیں جو اپنے مقام اور رسوخ فی الطریقہ میں بھی اول الذکر اصحاب سے بڑھے ہوئے ہیں۔

اگر تصوف اپنی صحیح روح اور سلوکِ راہِ نبوت کے مطابق ہو اور یقین اور محبت پیدا ہونے کا باعث ہو (جو اس کے اہم ترین مقاصد و نتائج ہیں) تو اس سے قوتِ عمل، جذبہء جہاد، عالی ہمتی، جفاکشی، شوقِ شہادت پیدا ہونا لازمی ہے۔ جب محبتِ الٰہی کا چشمہ دل سے اُبلے گا تو رگ و پے سے یہ صدا بلند ہوگی:

اے آنکہ زنی دم از محبت　　　از ہستیِ خویشتن پرہیز
برخیز و بہ تیغ تیز بنشیں　　　یا از رہِ دوست برخیز

دعا کی اہمیت، اللہ سے براہِ راست تعلق

(ڈاکٹر اسرار احمدؒ)

"اور جب میرے بندے آپ سے میرے متعلق پوچھیں تو (انہیں کہہ دیجئے کہ) میں قریب ہی ہوں، میں پکارنے والے کی دعا قبول کرتا ہوں جب وہ مجھے پکارتا ہے تو انہیں چاہیے کہ میرا حکم مانیں اور مجھ پر ایمان لائیں تاکہ وہ ہدایت پائیں"۔- سورہ البقرۃ 186

أُجِيبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ یہ ہے وہ دعا کہ اللہ ہر پکارنے والے کی پکار، ہر دعا کرنے والے کی دعا سنتا ہے، قبول کرتا ہے، جواب دیتا ہے۔ اللہ کا بندہ جہاں کہیں بھی ہو جیسا بھی ہو اللہ کو پکارتا ہے۔ إِذَا دَعَانِ اس میں درحقیقت وہ مفہوم ہے کہ آپ کہیں بھی کسی بھی وقت ہوں اللہ کو پکاریں آپ اپنے گھر میں ہوں، اپنے بستر میں لیٹے ہوئے ہوں۔ اللہ کو پکاریں۔

الَّذِينَ يَذْكُرُونَ اللَّهَ قِيَامًا وَقُعُودًا وَعَلَىٰ جُنُوبِهِمْ وَيَتَفَكَّرُونَ فِي خَلْقِ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هَٰذَا بَاطِلًا سُبْحَانَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ (آل عمران 191)

بعض اوقات بعض مقامات قبولِ دعا کے لیے زیادہ سازگار ہوتے ہیں۔ حرم میں جا کر دعا مانگی جائے۔ حج و عمرہ کے دوران، عرفات میں، جبلِ رحمت پر، صفا و مروہ پر لیکن یہ نہیں کہ بقیہ دنوں میں آپ کے اور اللہ کے درمیان کوئی بڑا فاصلہ موجود ہے۔ یہ سارا دنیا میں مشرکانہ نظاموں نے تصور پیدا کیا ہے کہ اللہ تو دور ہے۔ پاک ہے اور ہم ناپاک ہیں۔ تو ہم تو بڑی پستی میں پڑے ہوئے ہیں۔ ہم اللہ سے براہِ راست ہم کلام نہیں ہو سکتے۔ ہم ڈائریکٹ اللہ سے بات نہیں کر سکتے، اللہ کو نہیں پکار سکتے۔ کوئی درمیانی واسطہ ہونا چاہیے۔ کوئی درمیانی باطنی ہونا چاہیے۔ جیسے کہ کوئی پجاری ہوگا، کوئی پنڈت، کوئی پروہت ہوگا، کوئی پادری، کوئی

پوپ ہوگا نہیں تو کوئی گدی نشین، کوئی صاحبِ مزار ہوگا۔اس کے ذریعے تم اللہ سے بات کرسکتے ہو خود براہِ راست نہیں ۔اور جب کوئی درمیانی واسطہ ہوگا تو لازم اس کی خدمت کرنا ہوگی ،اس کی چاپلوسی کرنا ہوگی ،نذرانے پیش کرنا ہوں گے ۔یہ بدترین استحصال ہے جو مذہب کے ذریعے نوعِ انسانی کا ہو رہا ہے۔اللہ کہتا ہے ہم کلام ہونے کے لیے کسی واسطے کی، کسی ذریعے کی، کسی پیر ،مزار، کسی دربان کی، پہرے دار کی ضرورت نہیں ۔جب چاہو اپنے اللہ کو پکارو ۔

دل کے آئینے میں ہے تصویرِ یار جب ذرا گردن جھکائی دیکھ لیا

یہ تو تم اللہ کی طرف متوجہ نہیں ہوتے ۔اللہ تو ہر وقت تمہارے پاس ہوتا ہے ۔ہر روز ،رات کے آخری لمحات، آخری گھنٹے اللہ کی رحمتیں نزول فرماتی ہیں ۔پکارنے والے کو پکارنا چاہیے ۔حدیثِ قدسی ہے

حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ مَسْلَمَةَ، عَنْ مَالِكٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ، وَأَبِي عَبْدِ اللَّهِ الأَغَرِّ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضى الله عنه أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صلى الله عليه وسلم قَالَ " يَنْزِلُ رَبُّنَا تَبَارَكَ وَتَعَالَى كُلَّ لَيْلَةٍ إِلَى السَّمَاءِ الدُّنْيَا حِينَ يَبْقَى ثُلُثُ اللَّيْلِ الآخِرُ يَقُولُ مَنْ يَدْعُونِي فَأَسْتَجِيبَ لَهُ مَنْ يَسْأَلُنِي فَأُعْطِيَهُ مَنْ يَسْتَغْفِرُنِي فَأَغْفِرَ لَه"(صحیح بخاری 1145)۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا پروردگار ہر رات آسمانِ دنیا پر نزول فرماتا ہے جب رات کا آخری تہائی حصہ باقی رہ جاتا ہے اور فرماتا ہے:

1- کون ہے جو مجھے پکارے کہ میں اس کی دعا قبول کروں؟

2- کون ہے جو مجھ سے مانگے کہ میں اسے عطا کروں؟

3- کون ہے جو مجھ سے مغفرت طلب کرے کہ میں اسے بخش دوں؟"

تم ہی سوئے رہتے ہو انتہائی غفلت میں تم ہماری طرف متوجہ نہیں ہوتے ۔ اگر تم ہماری طرف متوجہ ہو جاؤ تو جیسے بقولِ اقبالؒ:

کیوں خالق و مخلوق میں حائل رہیں پردے
پیرانِ کلیسا کو کلیسا سے ہٹا دو

اللہ کہتا ہے مجھ سے ہم کلام ہونے کے لیے کسی واسطے کی، کسی وسیلے کی کوئی ضرورت نہیں ۔ جب چاہو مجھ سے ہم کلام ہو جاؤ۔ ہاں! ایک شرط ہے۔ " فَلْيَسْتَجِيبُوا لِي" چاہیے کہ وہ میری بات بھی قبول کریں ۔ میرے احکام کو تسلیم کریں ۔ میرے فرامین کان کھول کر سنیں ان پر دل سے عمل کریں ۔ یہ یک طرفہ ٹریفک نہیں ہوگا کہ ہم تمہاری دعائیں قبول کریں ۔ اور تم ہماری باتوں سے پہلو تہی کرو ۔ سنی ان سنی کردو ۔ یہ نہیں ہے، یہ ایک دوطرفہ تعلق ہے ۔ یہ ایک باہمی تعلق ہے ۔ اللہ اور بندے کے درمیان ۔ بندہ توبہ کرتا ہے اور اللہ اس کی توبہ قبول کرتا ہے ۔ اللہ تو تواب ہے ۔ وہ اپنی رحمت کے ساتھ دوبارہ مطمئن ہو جاتا ہے ۔ اگر تم اللہ کو یاد کرو گے اللہ تمہیں یاد رکھے گا ۔ اگر تم اللہ کی مدد کرو گے اللہ تمہاری مدد کرے گا۔

اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ يَنْصُرْكُمْ (محمد-7) یہ ہے دوطرفہ معاملہ ۔ اللہ فرماتا ہے اگر تم چاہتے ہو کہ میں تمہاری دعائیں قبول کروں تو میرا کہنا مانو، میرے فرامین کو کھلے کانوں سے سنو اور صدقِ دل سے ان پر عمل کرو اور مجھ پر ایمان پختہ رکھو۔

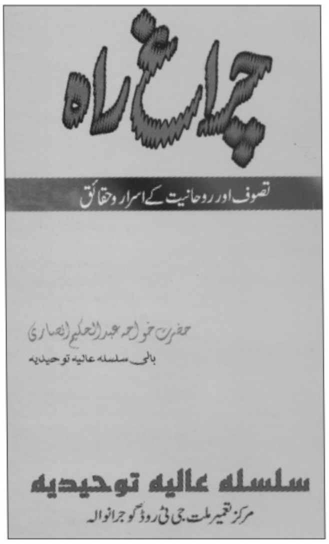
دعائے مغفرت

راولپنڈی سے محمد اقبال صاحب کی بھابھی

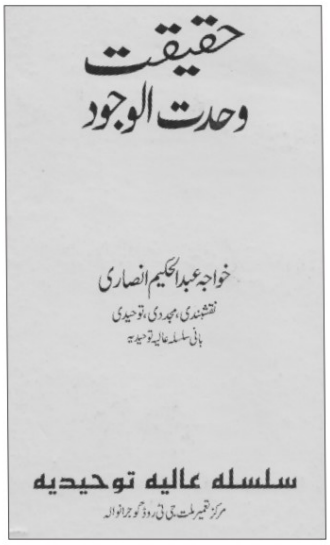
بقضائے الٰہی وفات پاگئی ہیں (اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّـا اِلَيْهِ رَاجِعونَ)

مرحوم کی مغفرت اور بلندی درجات کیلئے دعا فرمائیں۔

بانی سلسلہ عالیہ توحیدیہ خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ کی شہرہ آفاق تصانیف

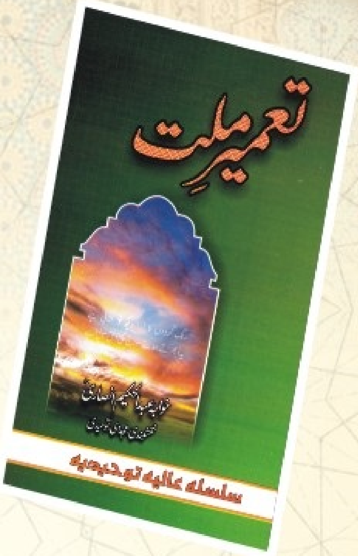


کتاب ہذا بانی سلسلہ خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ کے خطبات پر مشتمل ہے۔ جو آپ نے سالانہ اجتماعات پر ارشاد فرمائے اسمیں درج ذیل خصوصی مسائل پر روشنی ڈالی گئی۔سلوک وتصوف میں ذاتی تجربات ،مرشد کی تلاش کے دس سالہ دور کا حال۔زوال اُمت میں اُمراء ،علماء،صوفیاء کا کردار۔علماء اورصوفیاء کے طریق اصلاح کا فرق۔تصوف خفتہ اور بیدار کے اثرات اورتصوّف کے انسانی زندگی پراثرات۔سلسلہ عالیہ توحیدیہ کے قیام سے فقیری کی راہ کیونکر آسان ہوئی۔

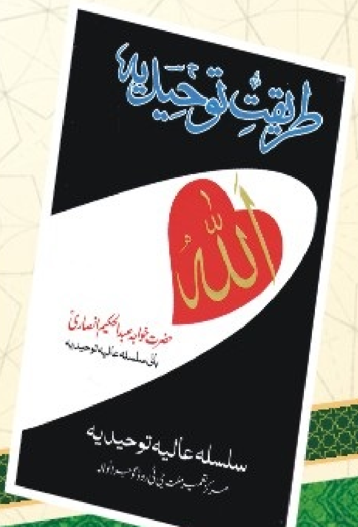


وحدت الوجود کے موضوع پر یہ مختصر سی کتاب نہایت ہی اہم دستاویز ہے۔مصنّفؒ نے وحدت الوجود کی کیفیت اور روحانی مشاہدات کو عام فہم دلائل کی روشنی میں آسان زبان میں بیان کردیا ہے۔آپ نے جن دیگر موضوعات پر روشنی ڈالی ہے وہ یہ ہیں:۔حضرت مجدد الف ثانیؒ کا نظریہ وحدت الشہود، انسان کی بقاء اور ترقی کیلئے دین کی اہمیت اورناگزیریت ،بنیادی سوال جس نے نظریۂ وحدت الوجود کو جنم دیا اورروحانی سلوک کے دوران بزرگان عظّام کو ہوجانے والی غلط فہمیاں۔

سلسلہ توحیدیہ کی مطبوعات



قرونِ اولیٰ میں مسلمانوں کی بے مثال ترقی اور موجودہ دور میں زوال وانحطاط کی وجوہات، اسلامی تصوّف کیا ہے؟ سلوک طے کرنے کا عملی طریقہ، سلوک کا ماحصل اور سلوک کے ادوار، ایمان محکم کس طرح پیدا ہوتا ہے؟ عالم روحانی کی تشریح، جنت، دوزخ کا محلِ وقوع اور ان کے طبقات کی تعداد، انسانی روح کی حقیقت کیا ہے؟ روح کا دنیا میں آنا اور واپسی کا سفر، اسلامی عبادات، معاملات، اور اخلاق و آداب کے اسرار و رموز اور نفسیاتی اثرات، امت مسلمہ کے لئے اپنے کھوئے ہوئے مقام کے حصول کیلئے واضح لائحہ عمل۔



یہ کتاب سلسلہ عالیہ توحیدیہ کا آئین ہے۔ اس میں سلسلے کی تنظیم اور عملی سلوک کے طریقے تفصیل کے ساتھ بیان کئے گئے ہیں۔ جو لوگ سلسلہ میں شامل ہونا چاہتے ہیں انہیں یہ کتاب ضرور پڑھنی چاہیے۔ حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ نے تصوف کی تاریخ میں پہلی مرتبہ فقیری کا مکمل نصاب اس چھوٹی سی کتاب میں قلم بند کر دیا ہے۔ اس میں وہ تمام اوراد، اذکار اور اعمال واشغال تفصیل کے ساتھ تحریر کر دیئے ہیں جس پر عمل کر کے ایک سالک اللہ تعالیٰ کی محبت، حضوری، لقاء اور معرفت حاصل کر سکتا ہے۔

Reg: CPL - 01
Website www.tauheediyah.com